لِیُخۡرِجَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی

النور

جماعتہائے احمدیہ امریکہ

خلافت نمبر

جماعت احمدیہ میں قیام خلافت کی عظیم الشان پیشگوئی

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام رسالہ الوصیت میں تحریر فرماتے ہیں ۔

سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے ۔ سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے ۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا دیکھنا بھی ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے ۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہو گا ۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آ سکتی جب تک میں نہ جاؤں ۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا ۔ جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی ۔ جیساکہ براہین احمدیہ میں وعدہ ہے ۔ اوروہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتاہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا ۔

THE AHMADIYYA GAZETTE IS PUBLISHED BY THE **AHMADIYA MOVEMENT IN ISLAM**, INC., AT THE LOCAL ADDRESS 31 Sycamore St. P. O. Box 226, Chauncey, OH 45719. **PERIODICALS POSTAGE PAID AT CHAUNCEY, OHIO 45719.**

Postmaster: Send address changes to:

THE AHMADIYYA GAZETTE
P. O. Box 226
Chauncey, OH 45719-0226

مئی ۱۹۹۸ء   ہجرت ۱۳۷۷ ہش

فہرست مضامین

نگران: صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب امیر جماعت امریکہ
ایڈیٹر: سید شمشاد احمد ناصر

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۚ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۞ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۞ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۞

اللہ نے تم میں سے ایمان لانے والوں اور مناسب حال عمل کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کو زمین میں خلیفہ بنا دیگا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنا دیا تھا۔ اور جو دین اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے وہ ان کے لیے اُسے مضبوطی سے قائم کر دیگا اور اُن کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لیے امن کی حالت تبدیل کر دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے (اور) کسی چیز کو میرا شریک نہیں بنائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی انکار کریں گے وہ نافرمانوں میں سے قرار دئے جائیں گے۔
اور تم سب نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰتیں دو، اور اس رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔
(اور) اے مخاطب) کبھی خیال نہ کر کہ کفار زمین میں ہمیں اپنی تدبیروں سے عاجز کر دیں گے اور ان کا ٹھکانا تو دوزخ ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ ثُمَّ سَكَتَ۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۴۰۴)

ترجمہ :- یعنی اے مسلمانو! تم میں یہ نبوّت کا دور اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ خدا چاہے گا کہ وہ قائم رہے۔ اور پھر یہ دور ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد خلافت کا دور آئے گا جو نبوت کے طریق پر قائم ہوگی۔ (اور گویا اس کا تتمہ ہوگی) اور پھر کچھ وقت کے بعد یہ خلافت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد کاٹنے والی (یعنی لوگوں پر ظلم کرنے والی) بادشاہت کا دور آئے گا۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ دور بھی ختم ہو جائے گا اس کے بعد جبری حکومت کا دور آئے گا۔ اور پھر یہ حکومت بھی اُٹھ جائے گی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ خلافت کا دور آئے گا جو ابتدائی دور کی طرح نبوّت کے طریق پر قائم ہوگی۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

خلافت کا بابرکت نظام

تحریرات سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کے روح پرور اقتباسات

(۱)

"خلیفہ کے معنے جانشین کے ہیں جو تجدیدِ دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو اُن کی جگہ آتے ہیں انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۳۸۳)

(۲)

"صوفیا نے لکھا ہے کہ جو شخص کسی شیخ یا رسول اور نبی کے بعد خلیفہ ہونے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے خدا کی طرف سے اس کے دل میں حق ڈالا جاتا ہے۔ جب کوئی رسول یا مشائخ وفات پاتے ہیں تو دنیا پر ایک زلزلہ آجاتا ہے اور وہ ایک بہت ہی خطرناک وقت ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کے ذریعہ اس کو مٹاتا ہے اور پھر گویا اس امر کا از سرِ نو اس خلیفہ کے ذریعہ اصلاح و استحکام ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اپنے بعد خلیفہ مقرر نہ کیا؟ اس میں بھی یہی بھید تھا کہ آپ کو خوب علم تھا کہ اللہ تعالیٰ خود ایک خلیفہ مقرر فرمادے گا کیونکہ یہ خدا ہی کا کام ہے اور خدا کے انتخاب میں نقص نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام کے واسطے خلیفہ بنایا اور سب سے اوّل حق انہی کے دل میں ڈالا......

ایک الہام میں اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام بھی شیخ رکھا۔ اَنْتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ۔

(ملفوظات جلد دہم صفحہ ۲۲۹، ۲۳۰)

(۳)

"... جب تو اس مقام تک پہنچ گیا تو تو نے اپنی کوشش کو انتہاء تک پہنچا دیا۔ اور فنا کے مرتبہ تک پہنچ گیا۔ پس اس وقت تیرے سلوک کا درخت اپنے کامل نشوونما تک پہنچ جائے گا۔ اور تیری روح کی گردن تقدس اور بزرگی کے مرغزار کے نرم سبزہ تک پہنچ جائے گی۔ اس اونٹنی کی مانند جس کی گردن لمبی ہو اور اس نے اپنی گردن کو ایک سبز درخت تک پہنچا دیا ہو اور اس کے بعد حضرتِ احدیت کے جذبات ہیں اور خوشبوئیں ہیں اور تجلیات ہیں تا وہ بعض ان رگوں کو کاٹ دے کہ جو بشریت میں سے باقی رہ گئی ہوں اور بعد اس کے زندہ کرنا ہے اور باقی رکھنا اور قریب کرنا اس نفس کا جو خدا کے ساتھ آرام پکڑ چکا ہے جو خدا سے راضی اور خدا اس سے راضی اور فنا شدہ ہے۔ تاکہ یہ بندہ حیاتِ ثانی کے بعد قبولِ فیض کے لئے مستعد ہو جائے اور اس کے بعد انسانِ کامل کو حضرتِ احدیت کی طرف سے خلافت کا پیرایہ پہنایا جاتا ہے اور رنگ دیا جاتا ہے۔ الوہیت کی صفتوں کے ساتھ۔ اور یہ رنگ ظلی طور پر ہوتا ہے تا مقامِ خلافت متحقق ہو جائے اور پھر اس کے بعد خلقت کی طرف اترتا ہے تا ان کو روحانیت کی طرف کھینچے اور زمین کی تاریکیوں سے باہر لا کر آسمانی نوروں کی طرف لے جائے۔ اور یہ انسان ان سب کا وارث کیا جاتا ہے جو نبیوں اور صدیقوں اور اہلِ علم اور درایت میں سے اور قرب اور ولایت کے سورجوں میں سے اس سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اور دیا جاتا ہے اس کو علم اوّلین کا اور معارف گذشتہ اہلِ بصیرت و حکمائے ملت کے تا اس کے لئے مقامِ وراثت کا متحقق ہو جائے۔ پھر یہ بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اس کے رب کے ارادے میں ہے توقف

کرتا ہے۔ تا کہ مخلوق کو نورِ ہدایت کے
ساتھ منور کرے اور جب خلقت کو اپنے
رب کے نور کے ساتھ روشن کر چکا یا
امر تبلیغ کو بقدرِ کفایت پورا کر دیا
پس اسی وقت اس کا نام پورا ہو جاتا
ہے اور اس کا رب اس کو بلاتا ہے
اور اس کی روح اس کے نفسی نقطہ کی
طرف اٹھائی جاتی ہے۔"
(ترجمہ از خطبہ الہامیہ ص ۳۸ تا ۴۰)

(۴)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول
ہے کہ بباعث چند در چند فتنوں اور
بغاوتِ اعراب اور کھڑے ہونے والے
جھوٹے پیغمبروں کے میرے باپ پر جبکہ
وہ خلیفہ رسول اللہ صلعم مقرر کیا گیا
وہ مصیبتیں پڑیں اور وہ غم دل پر نازل
ہوئے کہ اگر وہ غم کسی پہاڑ پر پڑتے
تو وہ بھی گر پڑتا اور پاش پاش ہو
جاتا اور زمین سے ہموار ہو جاتا مگر چونکہ
خدا کا یہ قانونِ قدرت ہے کہ جب خدا
کے رسول کا کوئی خلیفہ اس کی موت
کے بعد مقرر ہوتا ہے تو شجاعت اور
ہمت اور استقلال اور فراست اور
دل قوی ہونے کی روح اس میں پھونکی
جاتی ہے جیسا کہ یشوع کی کتاب باب
اوّل آیت ۶ میں حضرت یشوع کو اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے کہ مضبوط ہو اور دلاوری کر یعنی
موسیٰ تو مر گیا اب تو مضبوط ہو جا۔ یہی
حکم قضا و قدر کے رنگ میں نہ شرعی رنگ
میں حضرت ابوبکرؓ کے دل پر نازل ہوا
تھا۔" (تحفہ گولڑویہ ص ۵۸)

(۵)

"یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب
سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا
کیا ہمیشہ اس سنت کو وہ ظاہر کرتا
رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں
کی مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ دیتا ہے
جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ
لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ اور غلبہ سے
مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا
یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر
پوری ہو جائے اور اس کا مقابلہ کوئی نہ
کر سکے اسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں
کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے
اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں
پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی
کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی
پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ
ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو
بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ
رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے
اور طعن و تشنیع کا موقع دے دیتا
ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے
ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت
کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا
کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ
مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے
تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں۔ غرض دو قسم
کی قدرت ظاہر کرتا ہے (۱) اوّل خود
نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا
ہاتھ دکھاتا ہے۔ (۲) دوسرے ایسے
وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد
مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے
اور دشمن زور میں آ جاتے ہیں اور خیال
کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین
کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو
جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی
تردد میں پڑ جاتے ہیں اور ان کی کمریں
ٹوٹ جاتی ہیں اور بدقسمت مرتد ہونے کی
راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ
دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر
کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو
سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک
صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو
دیکھتا ہے جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ
کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت
سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین
نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم
کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ
نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ
اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام
کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اس
وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَیُمَکِّنَنَّ
لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمۡ
مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا
یعنی خوف کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں
گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے
وقت میں ہوا جبکہ حضرت موسیٰؑ مصر اور
کنعان کی راہ میں پہلے اس سے جو بنی اسرائیل
کو وعدہ کے موافق منزلِ مقصود تک پہنچا
دیں فوت ہو گئے اور بنی اسرائیل میں ان کے

مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توراۃ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بے وقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰ کی ناگہانی جدائی سے چالیس دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہو گئے اور ایک اُن میں سے مرتد بھی ہو گیا۔"

(الوصیت ص۷-۹)

(۶)

"سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا دے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک میں نہ جاؤں لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے۔ وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔"

(الوصیت صفحہ ۹، ۱۰)

(۷)

"میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔"

(الوصیت صفحہ ۱۰)

(۸)

"دوسرا طریق انزالِ رحمت کا ارسالِ مرسلین و نبیین و ائمہ و خلفاء ہے تا ان کی اقتداء و ہدایت سے لوگ راہِ راست پر آجائیں اور ان کے نمونہ پر اپنے تئیں بنا کر نجات پا جائیں سو خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس عاجز کی اولاد کے ذریعہ سے یہ دونوں شق ظہور میں آجائیں۔" (سبز اشتہار)

(۹)

"یاد رہے کہ اگرچہ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی آیتیں ایسی ہیں کہ جو اس امت میں خلافتِ دائمی کی بشارت دیتی ہیں۔ اور احادیث بھی اس بارہ میں بہت سی بھری پڑی ہیں۔ لیکن بالفعل اس قدر لکھنا ان لوگوں کے لئے کافی ہے جو حقائق ثابت شدہ کو دولت عظمیٰ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں اور اسلام کی نسبت اس سے بڑھ کر اور کوئی بد اندیشی نہیں کہ اس کو مردہ مذہب خیال کیا جائے اور اس کی برکات کو صرف قرنِ اوّل تک محدود رکھا جائے۔"

(شہادۃ القرآن ص۵۶)

(۱۰)

"خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو۔ اس واسطے رسول کریم نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظل ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کے لئے تا قیامت قائم رکھے سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکاتِ رسالت سے محروم نہ رہے۔ پس جو شخص خلافت

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

خلافت کا نظام

رقم فرمودہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب۔ ایم۔ اے

خلافت کا مضمون موٹے طور پر مندرجہ ذیل شاخوں میں تقسیم شدہ ہے (۱) خلافت کی تعریف (۲) خلافت کی ضرورت (۳) خلافت کا قیام۔ (۴) خلافت کی علامات (۵) خلافت کے اختیارات (۶) خلافت سے عزل کا سوال اور (۷) خلافت کا زمانہ۔ میں ان سب کے متعلق مختصر فقرات میں جواب دینے کی کوشش کروں گا واللہ الموفق والمستعان۔

خلافت کی تعریف

سب سے اول نمبر پر خلافت کی تعریف کا سوال ہے یعنی یہ کہ خلافت سے مراد کیا ہے اور نظامِ خلافت کس چیز کا نام ہے؟ سو جاننا چاہیئے کہ خلافت ایک عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی کسی کے پیچھے آنے یا کسی کا قائم مقام بننے یا کسی کا نائب ہو کر اس کی نیابت کے فرائض سرانجام دینے کے ہیں۔ اور اصطلاحی طور پر خلیفہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اوّل وہ ربانی مصلح جو خدا کی طرف سے دنیا میں کسی اصلاحی کام کے لئے مامور ہو کر مبعوث کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسی معنی میں تمام انبیاء اور رسول خلیفۃ اللہ کہلاتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے نائب ہونے کی حیثیت میں کام کرتے ہیں اور انہی معنوں میں قرآن شریف نے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کو "خلیفہ" کے نام سے یاد کیا ہے۔ دوم وہ برگزیدہ شخص جو کسی نبی یا روحانی مصلح کی وفات کے بعد اس کے کام کی تکمیل کے لئے اس کا قائم مقام اور اس کی جماعت کا امام بنتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما خلیفہ بنے۔

خلافت کی ضرورت

دوسرا سوال خلافت کی ضرورت کا ہے یعنی نظام خلافت کی ضرورت کس غرض سے پیش آتی ہے؟ سو اس کے متعلق جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت و دانائی کے ماتحت ہوتا ہے چونکہ اس کے قانونِ طبعی کے ماتحت انسان کی عمر محدود ہے لیکن اصلاح کا کام لمبے زمانہ کی نگرانی اور تربیت چاہتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے نبوت کے بعد خلافت کا نظام مقرر فرمایا ہے تاکہ نبی کی وفات کے بعد خلفاء کے ذریعہ اس کے کام کی تکمیل ہو سکے۔ گویا جو تخم نبی کے ذریعہ بویا جاتا ہے اسے خدا تعالیٰ خلفاء کے ذریعہ اس حد تک تکمیل کو پہنچانے کا انتظام فرماتا ہے کہ وہ ابتدائی خطرات سے محفوظ ہو کر ایک مضبوط پودے کی صورت اختیار کر لے۔

اس سے ظاہر ہے کہ خلافت کا نظام دراصل نبوت کے نظام کی فرع اور اس کا تتمہ ہے۔ اسی لئے ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ ہر نبوت کے بعد خلافت کا نظام قائم ہوتا ہے۔

خلافت کا قیام

چونکہ خلافت کا نظام نبوت کے نظام کی فرع اور اس کا "تتمہ" ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے اس کے قیام کو نبوت کی طرح اپنے ہاتھ میں رکھا ہے تاکہ خدا کے علم میں جو شخص بھی حاضر الوقت لوگوں میں سے اس بوجھ کو اٹھانے کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہو وہی مسندِ خلافت پر متمکن ہو سکے۔ البتہ چونکہ نبی کی بعثت کے بعد مومنوں کی ایک جماعت وجود میں آ چکی ہوتی ہے اور وہ نبوت کے فیض سے تربیت یافتہ بھی ہوتی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ خلافت کے انتخاب میں مومنوں کو بھی حصہ دار بنا دیتا ہے "تا کہ وہ اس کی اطاعت بجا لانے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے میں زیادہ شرحِ صدر محسوس کریں۔ اس طرح خلیفہ کا انتخاب ایک عجیب و غریب مخلوط قسم کا رنگ رکھتا ہے کہ بظاہر مومن انتخاب کرتے ہیں مگر حقیقۃً خدا کی تقدیر پوری ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ مومنوں کے دلوں پر تصرف فرما کر ان کی رائے کو اہل شخص کی طرف کر دیتا ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں ہر جگہ خلفاء کے تقرر کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور بار بار فرمایا ہے کہ خلیفہ میں بناتا ہوں اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے متعلق حدیث میں فرماتے ہیں کہ میرے بعد خدا اور مومنوں کی جماعت ابوبکرؓ کے سوا کسی اور شخص کی خلافت پر راضی نہیں ہوں گے۔ اور حضرت مسیح موعود ..... نے بھی رسالہ الوصیت میں یہی نکتہ بیان فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے خود حضرت ابوبکرؓ کو کھڑا کر کے مسلمانوں کی گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیا اور حضرت ابوبکرؓ کی مثال پر خود اپنے متعلق بھی فرماتے ہیں کہ میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو خدا کی دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔ ان حوالوں سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ گو بظاہر خلافت کے تقرر میں مومنوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے لیکن حقیقۃً تقدیر خدا کی چلتی ہے۔

خلافت کی علامات

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کی علامات کیا ہیں۔ جس سے ایک سچے خلیفہ کو شناخت کیا جا سکے؟ سو جاننا چاہیئے کہ جیسا کہ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ برحق کی دو بڑی علامتیں ہیں۔ ایک علامت وہ ہے جو سورۃ نور کی آیت استخلاف میں بیان کی گئی ہے یعنی لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا یعنی "سچے خلفاء کے ذریعہ خدا تعالیٰ دین کی مضبوطی کا سامان پیدا کرتا ہے اور مومنوں کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دیتا ہے۔ یہ خلفاء صرف میری ہی عبادت کرتے ہیں اور میرے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے۔" پس جس طرح ہر درخت اپنے ظاہری پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح سچا خلیفہ اپنے اس روحانی پھل سے پہچانا جاتا ہے جو اس کی ذات کے ساتھ ازل سے مقدر ہو چکا ہے۔ دوسری

علامت حدیث میں بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ استثنائی حالات کو چھوڑ کر ہر خلیفہ کا انتخاب مومنوں کا اتفاقِ رائے یا کثرتِ رائے سے ہونا چاہیئے کیونکہ گو حقیقۃً تقدیرِ خدا کی چلتی ہے مگر خدا نے اپنی حکیمانہ تدبیر کے ماتحت خلفاء کے تقرر میں بظاہر مومنوں کی رائے کا بھی دخل رکھا ہوا ہے جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کے تعلق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یَدْفَعُ اللّٰہُ وَیَاْبَی الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی نہ تو خدائی تقدیر ابو بکرؓ کے سوا کسی اور کو خلیفہ بننے دے گی اور نہ ہی مومنوں کی جماعت کسی اور کی خلافت پر راضی ہوگی۔ پس ہر خلیفۂ برحق کی یہ دوہری علامت ہے کہ (۱) وہ مومنوں کے انتخاب سے قائم ہو اور (۲) خدا تعالیٰ اپنے فعل سے اس کی نصرت اور تائید میں کھڑا ہو جائے اور اس کے ذریعہ دین کو تمکنت پہنچے۔ اس کے سوا بعض اور علامتیں بھی ہیں مگر اس جگہ اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔

خلافت کی برکات

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے خلافت کا نظام ایک بہت ہی مبارک نظام ہے جس کے ذریعہ آفتابِ نبوت کے ظاہری غروب کے بعد اللہ تعالیٰ ماہتابِ نبوت کے طلوع کا انتظام فرماتا ہے اور الٰہی جماعت کو اس دھکے کے اثرات سے بچا لیتا ہے جو نبی کی وفات کے بعد نوزائیدہ جماعت پر ایک بھاری مصیبت کے طور پر وارد ہوتا ہے۔ نبی کا کام جیسا کہ قرآن شریف کے مطالعہ سے پتہ لگتا ہے۔ تبلیغ ہدایت کے ساتھ ساتھ مومنوں کی جماعت کی دینی تعلیم ان کی روحانی و اخلاقی تربیت اور ان کی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے اور یہ سارے کام نبی کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جس کا وجود جماعت کو انتشار سے بچا کر انہیں ایک مضبوط لڑی میں پروئے رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں نبی کا وجود جماعت کے لئے محبت اور اخلاص کے تعلقات کا روحانی مرکز ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ اتحاد اور یک جہتی اور باہمی تعاون کا اَنمٹ سبق سیکھتے ہیں اور خلیفہ کا وجود اسی درس کو جاری اور تازہ رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے وجود کو جو ایک ہاتھ پر جمع ہونے کی وجہ سے خلیفہ کے وجود کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیا ہے اور اسے انتہائی اہمیت دی ہے اور جماعت میں انتشار پیدا کرنے والے پر لعنت بھیجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ یعنی جو شخص جماعت سے کٹتا اور اس کے اندر تفرقہ پیدا کرتا ہے وہ اپنے لئے آگ کا رستہ کھولتا ہے اور دوسری جگہ فرماتے ہیں عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِیِّیْنَ یعنی اے مسلمانو! تم پر تمام دینی امور میں میری سنت پر عمل کرنا اور میرے بعد میرے خلفاء کے زمانہ میں ان کی سنت پر عمل کرنا بھی واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہوں گے۔ پس خلافت کا نظام ایک نہایت ہی بابرکت نظام ہے جس کے ذریعہ جماعتی اتحاد اور مرکزیت کے علاوہ جس کی ہر نوزائیدہ جماعت کو بھاری ضرورت ہوتی ہے نبوت کا نور جماعت کے سر پر جلوہ افروز رہتا ہے اور یہ ایک بہت بڑی نعمت اور بہت بڑی برکت ہے۔

خلافت کے اختیارات

اگلا سوال خلافت کے اختیارات سے تعلق رکھتا ہے۔ سو اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لئے بنیادی نکتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ خلافت ایک روحانی نظام ہے جس میں حکومت کا حق اوپر سے نیچے کو آتا ہے اور چونکہ خلافت کا نظام نبوت کے نظام کی فرع ہے اور دوسری طرف شریعت ہمیشہ کے لئے مکمل ہو چکی ہے۔ اس لئے جس طرح شریعت کے حدود کے اندر اندر نبوت کے اختیارات وسیع ہیں اسی طرح شریعت و سنتِ نبوت کی حدود کے اندر اندر خلافت کے اختیارات بھی وسیع ہیں یعنی ایک خلیفہ اسلامی شریعت کی حدود کے اندر اندر اور اپنے نبی متبوع کی سنت کے تابع رہتے ہوئے الٰہی جماعت کے نظم و نسق میں وسیع اختیارات رکھتا ہے۔ موجودہ زمانہ کے جمہوریت زدہ نوجوان اس بات پر حیران ہوتے ہیں کہ ایک واحد شخص کے اختیارات کو اتنی وسعت کس طرح حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن انہیں سوچنا چاہیئے کہ اوّل تو خلافت کسی جمہوری اور دنیوی نظام کا حصہ نہیں بلکہ روحانی اور دینی نظام کا حصہ ہے جس کا حق خدا تعالیٰ کے ازلی حق کا حصہ بن کر اوپر سے نیچے کو آتا ہے اور خدا کا سایہ خلفاء کے سر پر رہتا ہے۔ دوسرے جب ایک خلیفہ کے لئے شریعت کی آہنی حدود متعین ہیں اور نبی متبوع کی سنت کی چار دیواری بھی موجود ہے تو ان ٹھوس قیود کے ماتحت اس کے اختیارات کی وسعت پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟ نبی کے بعد خلیفہ کا وجود یقیناً ایک نعمت اور رحمت ہے اور رحمت کی وسعت بہرحال برکت کا موجب ہوتی ہے نہ کہ اعتراض کا۔ بایں ہمہ اسلام یہ ہدایت دیتا ہے کہ چونکہ خلیفہ کے انتخاب میں بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے۔ اس لئے اسے تمام اہم امور میں مومنوں کے مشورہ سے کام کرنا چاہیئے۔ بیشک وہ اس بات کا پابند نہیں کہ لوگوں کے مشورہ کو ہر صورت میں قبول کرے لیکن وہ مشورہ حاصل کرنے کا پابند ضرور ہے تاکہ اس طرح ایک طرف تو جماعت میں ملّی اور دینی سیاست کی تربیت کا کام جاری رہے۔ اور دوسری طرف عام کاموں میں مشورہ قبول کرنے سے جماعت میں زیادہ بشاشت کی کیفیت پیدا ہو۔ لیکن خاص حالات میں فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ کا مقام بھی قائم رہے۔ یہ ایک بہت لطیف فلسفہ ہے۔ وَلٰکِنْ قَلِیْلًا مَّا یَتَفَکَّرُوْنَ۔

خلافت سے عزل کا سوال

جن لوگوں نے خلافت کے مقام کو نہیں سمجھا وہ بعض اوقات اپنی نادانی سے خلیفہ کے عزل کے سوال میں الجھنے لگتے ہیں۔ وہ دنیا کے جمہوری نظاموں کی طرح خلافت کو بھی ایک دنیوی نظام خیال کر کے حسبِ ضرورت خلیفہ کے عزل کا رستہ کھولنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک انتہا درجہ کی جہالت کا خیال ہے جو خلافت کے حقیقی مقام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ حق یہ ہے کہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے خلافت ایک روحانی نظام ہے جو خدا تعالیٰ کے خاص تصرف کے ماتحت نبوت کے تتمہ اور تکملہ کے طور پر قائم کیا جاتا ہے اور گو اس میں مصلحتِ الٰہی سے بظاہر لوگوں کی رائے کا بھی دخل ہوتا ہے مگر حقیقۃً وہ خدا تعالیٰ کی خاص تقدیر کے ماتحت قائم ہوتا ہے اور پھر وہ ایک اعلیٰ درجہ کا الٰہی انعام بھی ہے۔ پس اس کے متعلق کسی صورت میں عزل کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "خدا تجھے ایک قمیص پہنائے گا مگر منافق لوگ اسے اتارنا چاہیں گے لیکن تم اسے ہرگز نہ اتارنا"۔ اس مختصر

ارشاد میں خلافت کے بابرکت قیام اور عزل کی ناپاک تحریک کا سارا فلسفہ آجاتا ہے۔ پھر نادان لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر باوجود اس کے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اس کے عزل کا سوال اُٹھ سکتا ہے تو پھر نعوذ باللہ ایک نبی کے عزل کا سوال کیوں نہیں اُٹھ سکتا؟ پس حق یہی ہے کہ خلفاء کے عزل کا سوال بالکل خارج از بحث ہے اور انبیاء کی طرح ان کے مزعومہ عزل کی ایک ہی صورت ہے کہ خدا انہیں موت کے ذریعہ دنیا سے اٹھا لے۔ خوب یاد رکھو کہ خلافت کے عزل کا سوال خلافت کے قیام کی فرع ہے نہ کہ ایک مستقل سوال۔ پس اگر یہ ایک حقیقت ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں اس نے بار بار اعلان فرمایا ہے اور جیسا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے معاملہ میں صراحت فرمائی ہے تو عزل کا سوال کسی سچے مومن کے دل میں ایک لمحہ کے لئے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسلام تو اس ضبط و نظم کا مذہب ہے کہ اس نے دنیوی حکمرانوں کے متعلق بھی جو محض لوگوں کی رائے سے یا وراثہ کی صورت میں قائم ہوتے ہیں تعلیم دی ہے کہ ان کے خلاف سر اٹھانے اور ان کے عزل کی کوشش کرنے کے درپے نہ ہو۔ اِلَّا اَنْ تَرَوْا کُفْرًا بَوَاحًا (سوائے اس کے کہ تم ان کے رویہ میں خدائی قانون کی صریح بغاوت پاؤ) تو کیا وہ خدا کے بنائے ہوئے خلفاء اور نبی کے مقدس جانشینوں کے متعلق عزل کی اجازت دے سکتا ہے؟ ھیھات ھیھات لما توعدون!

خلافت کا زمانہ

بالآخر اس بحث میں خلافت کے زمانہ کا سوال پیدا ہوتا ہے سو ظاہر ہے کہ جب خلافت خدا کا ایک انعام ہے اور وہ نبوت کے کام کی تکمیل کے لئے آتی ہے تو لازماً اس کے قیام کی دو ہی شرطیں سمجھی جائیں گی۔ اوّل یہ کہ خدائے حکیم و علیم کے علم میں مومنوں کی جماعت میں اس کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود ہوں اور دوسرے یہ کہ نبوت کے کام کی تکمیل کے لئے اس کی ضرورت باقی ہو۔ اور چونکہ یہ دونوں باتیں خدا تعالیٰ کے مخصوص علم سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے کسی دور میں خلافت کے زمانہ کا علم بھی صرف خدا کو ہی ہو سکتا ہے۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ نبوت کے متعلق فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنی "اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کس کے سپرد کرے گا۔" اور چونکہ خلافت کا نظام بھی نبوت کے نظام کی فرع ہے اس لئے اس کے لئے بھی یہی قانون نافذ سمجھا جائے گا جو اس لطیف آیت میں نبوت کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔ اب چونکہ حَیْثُ کا لفظ جو اس آیت میں رکھا گیا ہے۔ عربی زبان میں ظرف مکان اور ظرف زمان دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اس آیت کے مکمل معنی یہ بنیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ نبوت اور اس کی اتباع میں خلافت پر کسی شخص کو فائز کرے اور پھر کس عرصہ تک کیلئے اس انعام کو جاری رکھے؟ پس جب تک کسی الٰہی جماعت میں خلافت کی اہلیت رکھنے والے لوگ موجود رہیں گے اور پھر جب تک خدا کے علم میں کسی الٰہی جماعت کے لئے نبوت کے کام کی تکمیل اور اس کی تخم ریزی کے نشو و نما کی ضرورت باقی رہے گی خلافت کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور اگر کسی وقت ظاہری اور تنظیمی خلافت کا دور ختم ہوگا تو اس کے مقابل پر اسلام کی خدمت کے لئے روحانی خلافت کا دور اُبھر آئے گا اور اس طرح انشاء اللہ اسلام کے باغ پر کبھی دائمی خزاں کا غلبہ نہیں ہوگا۔ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ وَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَظِیْمِ۔

راقم: مرزا بشیر احمد۔ ربوہ — ۲۷/۲/۵۲

(صفحہ ۶ سے آگے)

کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علّتِ غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں ......

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس اُمّت کے تیس برس کا ہی فکر تھا اور پھر اس کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی اُمّت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا۔ اس امت کے لئے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا۔ کیا عقلِ سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی ہرگز نہیں اور پھر یہ آیت خلافتِ ائمہ پر گواہ ہے۔ وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّکْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے۔ اس لئے کہ یَرِثُھَا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔" (شہادت القرآن صفحہ ۵۸)
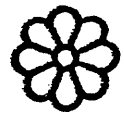
حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیحِ موعود و مہدی معہود
بانیٔ جماعتِ احمدیہ
کا
پُرمعارف اُردو منظوم کلام

درسِ توحید

وُہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دِل لگاتے ہو
جو کچھ بُتوں میں پاتے ہو اُس میں وُہ کیا نہیں
سُورج پہ غور کر کے نہ پائی وُہ روشنی
جب چاند کو بھی دیکھا تو اُس یار سا نہیں
واحد ہے لا شریک ہے اور لازوال ہے
سب موت کا شکار ہیں اُس کو فنا نہیں
سب خیر ہے اسی میں کہ اِس سے لگاؤ دِل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بُتوں میں وفا نہیں
اِس جائے پُر عذاب سے کیوں دِل لگاتے ہو
دوزخ ہے یہ مقام یہ بُستاں سرا نہیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی

مجلس عرفان

حضرت امام جماعت احمدیہ الرابع کی مجلس عرفان علم و معرفت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ قانونی پابندیوں کی وجہ سے اس میں کئی تبدیلیاں کرنی پڑتی ہیں۔ احباب کرام اصل کیسٹ ملاحظہ فرمائیں تو صحیح لطف حاصل کر سکتے ہیں۔

20-جولائی 1986ء محمود ہال لندن

سوال۔ کیا دعوت الی اللہ کرنے سے پہلے عمل کا درست کرنا ضروری ہے۔

جواب۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے (کلام الٰہی) میں دعوت الی اللہ کو پہلے اور عمل صالح کو بعد میں رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور عمل صالح کرے جب (اللہ) نے یہ ترتیب رکھی ہے تو اور کون اس کو بدل سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے دعوت الی اللہ کرنے والے کے لئے اعمال صالحہ کی شرط لگائی ہے لیکن یہ کہنا کہ پہلے تم فلاں فلاں کمزوریاں ٹھیک کرو پھر دعوت الی اللہ کرنا یہ بات غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے اعمال صالحہ رکھنے والے افراد میں بھی کمزوریاں ہوتی ہیں کیونکہ تمام کمزوریوں سے پاک تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی فیصلہ ہو گا کہ وہ کس کی کمزوریوں کو معاف کرے گا۔ اور کس کو پکڑے گا۔ لہٰذا ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ داعی الی اللہ نیک عمل کرے۔ کسی کا عمل زیادہ بہتر ہو گا اور کسی کا نسبتاً کم۔ لیکن یہ خیال کرنے والا کہ میرا عمل زیادہ بہتر اور کامل ہے متکبر ہے اس کا دعوےٰ شیطان کے دعوے کی طرح رد کرنے کے قابل ہے۔ (-) (کلام الٰہی) نے جو تعلیم دی ہے وہی صحیح ہے۔ دعوت الی اللہ ہر احمدی کا فرض ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ تلقین بھی کی گئی ہے کہ تمہاری یہ دعوت تب بار آور ہو گی اگر تمہارا عمل درست ہو گا اور جوں جوں عمل درست ہوتا چلا جائے گا۔ اسی حساب سے وہ شخص (اللہ تعالیٰ کے اس فرمان) کے مطابق ڈھلتا چلا جائے گا۔ اس جدوجہد میں کوئی چھوٹے درجہ پر ہو گا اور کوئی اعلیٰ درجہ پر۔ اللہ تعالیٰ نے عمل لازمی قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انسانوں کو یہ حق نہیں دیا کہ کسی کے عمل کے مقابلے میں اپنے عمل کو بہتر سمجھتے ہوئے عمل کامل کا دعویٰ کرے کیونکہ عمل کسی کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کوئی اس مقام کو نہیں پا سکتا۔

سوال۔ کیا دین حق قبول کرنے کے بعد نام کا بدلنا ضروری ہے۔

جواب۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔

ہرگز نہیں کیونکہ دین حق قبول کرنے کے بعد صرف وہی نام بدلے جاتے ہیں جن کا تعلق بت پرستی سے ہو کیونکہ بعض نام تصوراتی خداؤں کے نام پر رکھے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کا نام بدلنا ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض نام ایسے ہوتے ہیں جو دینی فلاسفی کی نفی کرتے ہیں یا اس کے خلاف ہوتے ہیں۔

مثلاً عبداللیل یا اسی طرح کا کوئی بے معنی نام ہونے کی صورت میں وہ نام یا اس نام کا کچھ حصہ بدلنا پڑتا ہے۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ فرمایا آج کل جو نام رائج ہیں ان کا دین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یہ عرب نام ہیں جو ہزاروں سالوں سے اسی طرح چلے آتے ہیں۔ نیز ایرانی نام بھی عام ہیں اور اسی طرح بعض اور قوموں نے بھی دین قبول کرنے کے بعد ان ناموں کو برقرار رکھا اور ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(بحوالہ اخبار احمدیہ مغربی جرمنی فروری 1987ء صفحہ 17)

سوال۔ کیا بیت الذکر میں عورتیں بغیر پردہ لگائے مردوں کے ساتھ عبادت میں شامل ہو سکتی ہیں؟

جواب۔ فرمایا۔ دن کے وقت (عبادت کرنے) کے لئے درمیان میں پردہ ہونا چاہئے۔ اگر عورتیں صبح کی عبادت کے لئے بیت الذکر میں آتی ہیں اور خاموشی سے پیچھے کھڑے ہو کر عبادت کرکے چلی جاتی ہیں تو اسے ہم غلط نہیں کہہ سکتے عام روزمرہ کے اصول کے طور پر حضرت بانی سلسلہ اور آپ کے رفقاء کرام سے ہم نے جو سیکھا ہے وہ یہی ہے کہ عورتوں کے لئے پردہ کرکے الگ جگہ ہو کیونکہ اس طرح ان کے لئے زیادہ سہولت ہے کیونکہ پیچھے کھڑے ہونے کی صورت میں ان کو سلام پھیر کر فوراً بھاگنا پڑے گا اور (عبادت) کے دوران بھی ہر وقت یہ ڈر رہے گا کہ کوئی پیچھے سے نہ آ جائے۔ دن کے وقت عورتوں کا بیت الذکر میں آکر (عبادت کرنے) کا کوئی ذکر نہیں ملتا لیکن الگ پردہ کرکے

عورتوں کے (عبادت کرنے) کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ اسی طرح خواتینِ مبارکہ کا بھی پردے کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ملتا ہے اور اندھیرے میں مردوں کے پیچھے کھڑے ہو کر (عبادت کرنے) کا ذکر بھی ملتا ہے۔

سوال۔ کیا عورتوں کو قبرستان میں جانے کی اجازت ہے؟

جواب۔ فرمایا۔ ہمارے دین نے عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع فرمایا ہے لیکن قبرستان جانے سے منع نہیں فرمایا۔ یہ دو الگ اور ایک دوسرے سے مختلف باتیں ہیں اس لئے ان کو الگ الگ رکھنا چاہئے۔ (دین حق) ایک حقیقی مذہب ہے کوئی فرضی چیز نہیں۔ مردہ جس کو سب مردہ سمجھ رہے ہوتے ہیں اس کی روح کچھ عرصہ تک اس عالم سے تعلق رکھتی ہے اور کچھ باتیں اس تک پہنچ جاتی ہیں اگر اس کے لئے جزع فزع کی جائے تو اسے تکلیف پہنچتی ہے (-) رونے سے مرنے والے والے کو تکلیف پہنچتی ہے۔ عورتیں چونکہ مرد کے مقابلہ پر نسبتاً زیادہ جذباتی ہوتی ہیں اس لئے (-) تدفین کے وقت عورتوں کو قبرستان جانے سے منع فرمایا ہے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ شدت غم سے ان کے منہ سے کوئی نامناسب باتیں نکل جائیں علاوہ ازیں عورتوں کے بیمار ہونے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ جب وہ اپنے پیاروں اور عزیزوں کو لحد میں اترتے دیکھیں تو اس وقت غم کی وجہ سے انہیں کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو جائے بہرحال کسی کو تو تدفین کے لئے جانا ہی ہوتا ہے اس لئے مردوں کو جن میں زیادہ صبر اور کنٹرول ہوتا ہے تدفین کے لئے جانے کی اجازت دی اور عورتوں کو اس بات سے روکا گیا ہے لیکن بعد میں جب صدمہ ذرا کم ہو جائے تو عورتیں دعا کے لئے قبرستان جا سکتی ہیں اس سے ہرگز روکا نہیں گیا۔

سوال۔ جنازہ میں طاق صفیں بنانا کیوں ضروری ہے؟

جواب۔ فرمایا (دین حق) میں جفت کے مقابلہ پر طاق سے زیادہ محبت کرنی سکھائی گئی ہے۔ (احکام دینیہ) میں بھی طاق نمایاں طور پر غالب نظر آتا ہے۔ (فرض عبادات) بھی طاق ہیں اور نفل بھی۔ فرض (عبادات) کو مغرب کی (عبادت) طاق بناتی ہے اور نفل (عبادات) کو وتر طاق بنا دیتے ہیں۔ پانچ کا عدد ان (عبادات) کو ویسے بھی طاق بنا دیتا ہے۔ وضو کی حرکات اور (عبادات) کی رکعات پر غور کریں تو ہر پہلو سے ان میں طاق کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں۔ بہرحال طاق کو یہ اہمیت اس لئے حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور یہ عدد آپ کو اللہ تعالیٰ کے طاق ہونے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ (-) کہ اللہ تعالیٰ طاق ہے اور طاق کو پسند فرماتا ہے۔ جب بھی کہیں طاق نظر آ جائے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلا دے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور اس کا کوئی جوڑ نہیں۔ یہی فرق ہے خالق اور مخلوق میں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جتنی بھی مخلوق ہے وہ جفت ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ میں نے سب کو جوڑا پیدا کیا ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ جس کا تعلق ذوقی مسائل سے ہے اور ذہنی لطافتوں سے تعلق رکھنے والا یہ ایک مضمون ہے لیکن یہ (احکام دینیہ) کا ایسا مسئلہ نہیں کہ اگر صفیں طاق نہیں بن سکیں تو جنازہ کی (عبادت) نہ ہوگی یا مرنے والے پر کسی قسم کا اثر پڑے گا۔

سوال۔ کیا شادی بیاہ کے موقع پر کھانا دیا جا سکتا ہے؟

جواب۔ فرمایا۔ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کا تعلق حلال یا حرام سے ہے۔ یہ معاشرتی مسائل ہیں جو بعض خاص زمانے یا وقتی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض مصلحتوں کی بناء پر ایسے اقدامات کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت امام جماعت الثانی نے جب اس سے منع فرمایا تو اس وقت رخصتانہ کے موقع پر چائے وغیرہ کی دعوت کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا اور آہستہ آہستہ اس میں تکلف اور دکھاوا شروع ہو گیا۔ امراء زیادہ شان و شوکت کا مظاہرہ کرنے لگ گئے تھے اور ایسی رسوم و رواج کی طرف قدم اٹھنے شروع ہو گئے جن سے مذہب نے ہمیں نجات دلائی ہے خصوصاً غرباء کے لئے بہت مشکل پیدا ہو گئی اور انہیں قرض لے کر اس قسم کی دعوتوں کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ایسے وقت میں حضرت امام جماعت الثانی نے فرمایا کہ اگر صرف غرباء کو منع کر دوں تو ان کی دل شکنی ہوگی اور معاشرے میں ایک طبقاتی فرق پیدا ہو جائے گا۔ لہٰذا اس وقت کی معاشرتی ضرورت کے پیش نظر آپ نے سب افراد جماعت کو ممانعت فرما دی۔ بعد میں جب معاشرتی معیار مقابلۃً بلند ہونا شروع ہوا اور شادیاں بھی بالکل خشک ہو کر رہ گئیں اور بعض لوگوں نے حضرت صاحب کو یہ لکھا کہ اب تو ہمارے جنازوں اور شادیوں میں کوئی فرق نہیں رہا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے تھوڑا بہت کرنے کی اجازت دے دی کہ موسم کی مناسبت سے تھوڑی بہت تواضع کر دی جائے اور ویسے بھی مہمان نوازی خود دین میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام جماعت الثالث نے کچھ اور اجازت دے دی حتیٰ کہ 1982ء میں لوگوں نے مجھے کہا کہ جتنے پیسے خرچ کرنے کی اجازت حضرت امام جماعت الثالث نے دی تھی اس میں چائے سے زیادہ کھانا دیا جا سکتا ہے اس پر میں نے کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر کھانا دینے میں کوئی حرج نہیں۔ بعد ازاں دوبارہ جب ان دعوتوں میں تکلف بڑھنا شروع ہو گیا اور شکایات آنی شروع ہو گئیں تو پھر مجھے یہ کہنا پڑا کہ کھانے میں توازن رکھا جائے اور افراط و تفریط کی بجائے درمیانی راستہ اختیار کیا جائے تو نظام کو ایسے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

نوٹ۔ حضرت صاحب کے انگریزی جوابات سے اردو ترجمہ کا خلاصہ ادارہ "النصر" اپنی ذمہ داری پر پیش کرتا ہے۔ (ایڈیٹر)

تبلیغِ احمدیّت کی تلقین

فرمودہ ۵ ر نومبر ۱۹۲۰ء

◉

حضور نے تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

آج مجھے پھر اس سلسلہ مضامین میں ضرورتاً وقفہ ڈالنا پڑا ہے۔ جو مَیں نے پچھلے چند ہفتوں سے شروع کیا ہوا ہے۔

آج میں ایک ایسے اہم فرض کی نسبت آپ لوگوں کو اور پھر اپنے اخباروں کے ذریعہ بیرونی جماعتوں کو توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس کی طرف توجہ کئے بغیر اور جس کے لیے کوشش کئے بغیر کسی قسم کی کامیابی اور ترقی کی اُمید نہیں رکھی جاسکتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس امر کے متعلق بارہا میں بھی توجہ دلا چکا ہوں۔ اور جو مجھ سے پہلے تھے وہ بھی توجہ دلا چکے ہیں۔ اور ہماری جماعت کے دوسرے عالم اور واقف لوگ بھی دلا چکے ہیں مگر باوجود اتنی بار توجہ دلانے کے پھر بھی لوگوں کو ابھی تک پورے طور پر اس کی اہمیت اور ضرورت سے واقفیت نہیں ہوئی۔ اور بہت لوگوں کو دیکھا گیا ہے۔ جو توجہ ہی نہیں کرتے۔

وہ امر کیا ہے۔ وہ اسلام اور سلسلہ احمدیہ کی اشاعت کا معاملہ ہے۔ اس کے متعلق بارہا ہم نے کہا ہے، لیکن باوجود بارہا کہنے کے اب بھی کہنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور ہمیشہ ہی یہ ضرورت محسوس ہوتی رہے گی۔ حتّٰی کہ قیامت تک رہے گی، لیکن ایک لحاظ سے کسی امر کا دوبارہ بیان کرنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ کوئی فعل اس لیے دوبارہ کیا جاتا ہے کہ دوبارہ اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً ہم صبح کو کھانا کھاتے ہیں اور پھر شام کو۔ اس لیے دوبارہ کھاتے ہیں کہ ہم انسان کی حیثیت سے محتاج ہیں کہ پھر کھائیں کیونکہ خدا نے ہمیں ایسا پیدا کیا ہے کہ ہم جو غذا کھاتے ہیں اس کا کچھ حصہ تو جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور کچھ حصہ فضلہ بن کر باہر نکل جاتا ہے۔

اس دوبارہ کھانے کا افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ سنت اللہ کے مطابق ہے۔ اور اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

اسی طرح ہم نماز پڑھتے ہیں۔ ایک دن ظہر کی نماز پڑھتے ہیں۔ پھر دوسرا دن آتا ہے۔ پھر پڑھتے ہیں۔ تیسرے دن پھر پڑھتے ہیں۔ عصر، مغرب۔ عشاء، اور صبح کی نمازیں بھی روزانہ پڑھتے ہیں۔ الیسا ہی ہم قرآن پڑھتے ہیں۔ پھر پڑھتے ہیں۔ اور پھر پڑھتے ہیں اچھی اور عمدہ باتوں کو پڑھتے ہیں۔ پھر اور پھر اور

پھر پڑھتے ہیں۔ اور کوئی کہہ نہیں سکتا کہ ان کا پڑھنا چھوڑ دینگے۔ اگر کوئی دوسرا چھوڑ دینے کے لیے کہے۔ تو ناراض ہوتے ہیں، لیکن ہمیں ان سب باتوں کے دہرانے کا کوئی افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی ہمیں ضرورت محسوس ہوتی ہے، لیکن ایک کھانا ایسا ہوتا ہے جس کے دوبارہ کھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ ایک نماز ایسی ہوتی ہے کہ اس کے دوبارہ پڑھنے سے رنج ہوتا ہے۔ تکلیف دہ کھانا وہ ہوتا ہے کہ جب کہ بیماری کی وجہ سے پیٹ نہیں بھرتا اور بار بار کھانا کھانا پڑتا ہے۔ ایسا انسان اس لیے کھانا نہیں کھاتا کہ پہلا کھایا ہوا ہضم ہوگیا۔ بلکہ اس لیے کہ بیماری کی وجہ سے اس کا پہلا کھانا نہ کھانے کے برابر ہوگیا ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی بیس بیس آدمیوں کا کھانا کھا جاتا ہے اور کھاتے کھاتے کھانے کا دوسرا وقت آجاتا ہے۔ مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ ایک بیماری کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ نماز جو ہم دوسرے دن پڑھتے ہیں۔ اس کا افسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ پہلے دن کی نماز کا وقت گیا اور اس سے ہم نے فائدہ اُٹھا لیا۔ اب دوسرے دن کی نماز کا وقت آیا ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھانا ہے۔

لیکن ایک ایسی نماز جو اس وجہ سے پڑھی جائے کہ پہلی پڑھی ہوئی نماز ضائع گئی ہے۔ تو اس کا ہم پر بوجھ ہوگا۔ کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر پہلی نماز ٹھیک طور پر پڑھی جاتی تو اب جو وقت صرف ہوگا وہ کسی اور کام میں لگ جاتا۔ مثلاً اسی وقت میں اگر چار رکعت نفل پڑھے جاتے تو رُوحانیت میں اور زیادہ ترقی ہو جاتی۔

تبلیغ کے لیے میں ہمیشہ یاد دلاتا رہا ہوں۔ اور کبھی کوئی ایسا زمانہ نہ آئیگا۔ کہ ہم زندہ ہوں اور ہماری اولادیں زندہ ہوں اور اس کے متعلق یاد نہ دلایا جاتے۔ مگر وہ یاد دلانا ایسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ ہم دوسرے وقت کھانا کھاتے ہیں۔ لیکن اب یاد دلانا تکلیف دہ ہے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے۔ پہلا یاد دلانا ضائع گیا اور اس سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا گیا۔

اگر پہلی تقریروں کا اثر ہوتا۔ اور لوگ اس طرف متوجہ ہو جاتے۔ تو ایک دفعہ پڑھا ہوا سبق دوبارہ یاد کرانے اور دُہرانے سے زیادہ اچھی طرح یاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوبارہ یاد دلانے سے ان کے قلب پر گہرا نقش ہوتا، لیکن جب معلوم ہو کہ پہلے جو سبق دیا گیا ہے۔ اس کا یاد کرنا تو الگ رہا۔ اُسے سُنا ہی نہیں۔ تو پھر دوسری بار سبق دیتے ہوتے بوجھ معلوم ہوتا ہے۔

پس گو یہ ایسا مسئلہ ہے کہ ہمیشہ دوہرایا جائیگا۔ اور اس کا دہرانا ضروری ہے مگر اب افسوس ہوتا ہے کہ اب جو دوہرایا جاتا ہے۔ تو اس لیے نہیں کہ پہلا وقت گزر گیا ہے۔ بلکہ اس لیے کہ پہلا کہنا ضائع گیا۔ بہت لوگ تو ایسے ہیں جو سُنتے ہی نہیں۔ بہت ہیں جو سُنتے ہیں۔ مگر توجہ نہیں کرتے۔

اور بہت ہیں جو سُنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے اور بہت ہیں جو عمل کرتے ہیں۔ مگر ایسے طریق پر عمل کرتے ہیں کہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اور بہت ایسے ہیں جو سنتے ہیں عمل کرتے ہیں۔ ان کے عمل کے نتیجے بھی نکلتے ہیں۔ مگر اس کا ان کو مزا نہیں پڑتا۔ اس لیے چھوڑ دیتے ہیں۔

غرض کئی قسم کے لوگ ہماری جماعت میں ہیں بعض تو ایسے ہیں۔ جو سالہا سال سے سنتے چلے آتے ہیں کہ ان کا مان لینا ہی فرض نہیں۔ بلکہ دوسروں کو منوانا بھی فرض ہے مگر کبھی ان کے دل میں تحریک نہیں ہوئی کہ دوسروں کو منوانے کی کوشش کریں۔ وہ سنتے ہیں۔ مگر توجہ نہیں کرتے۔

میرے چھوٹے بھائی میاں بشیر احمد نے سنایا کہ کالج میں ایک لڑکا پڑھا کرتا تھا۔ وہ سُنایا کرتا کہ میرا باپ بڑا نیک ہے۔ کئی سال سے وہ احمدی ہے مگر اس نے مجھے کبھی نہیں کہا کہ تم بھی احمدی ہو جاؤ۔

تو بعض ایسے ہیں۔ جو سالہا سال سے سنتے چلے آتے ہیں مگر ذرا ان کے کان پر جُوں نہیں رینگتی۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ ان باتوں کے مخاطب اور لوگ ہیں۔ ہم نہیں ہیں اور بعض ایسے ہیں جو سنتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری ہے۔ لیکن باوجود اس کے توجہ نہیں کرتے۔ پھر بعض ایسے ہیں۔ جو سُنتے ہیں۔ سمجھتے ہیں اور توجہ بھی کرتے ہیں مگر اس طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہیں کہ جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ ایک شخص مکان میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہو لیکن مکان کی طرف جانے کی بجائے دوسری طرف چل پڑے۔ جس طرح وہ جتنے قدم اُٹھاتا ہے۔ مکان سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح ایسے لوگ جس قدر کوشش کرتے ہیں۔ اسی قدر اصل مقصد سے دور ہوتے جاتے ہیں۔

پھر بعض ایسے ہیں کہ کوشش کرتے ہیں۔ صحیح طور پر کوشش کرتے ہیں۔ اور ان کی کوشش کا نتیجہ بھی نکلتا ہے۔ مگر جس طرح ہنڈیا کا اُبال جھٹ بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کی کوشش عارضی اور ان کا جوش وقتی ہوتا ہے۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ سال کام کرکے اپنے خیال میں پنشن لے لیتے ہیں۔ حالانکہ دینی معاملات میں پنشن اس دُنیا میں مل ہی نہیں سکتی۔ اگلے جہان میں جاکر ملے گی۔ پس ان کو پنشن نہیں ملتی۔ بلکہ ان کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسا کہ کوئی شخص ۱۵۔ ۲۰ سال ملازمت کرکے استعفیٰ دیدے۔ جس طرح اس غریب کی پندرہ بیس سال کی ملازمت کا اسے کچھ بدلہ نہیں ملے گا۔ اسی طرح ان کا حال ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک۔ کیونکہ وہ اپنی عمر کی محنت کو رائیگاں کر دیتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے جن فضلوں کے ملنے کی تیاری ہو رہی ہوتی ہے۔ ان کو لات مار کر رد کر دیا جاتا ہے۔

ایسی حالت میں جہاں میں دوبارہ اپنی جماعت کو یہ بات کہنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہوں وہاں یہ میرے

لیے تکلیف وہ بھی ہے۔ پس میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ ہماری جماعت اس بات کو سمجھے اور خوب یاد رکھے مگر یاد رکھنا کیا میں تو یہی کہونگا کہ سُن لے اور سمجھ لے۔ کیونکہ یاد تو وہی بات رکھی جاتی ہے جو سن اور سمجھ لی جائے۔ مگر یہ بات تو ایسی ہے۔ جیسے ابھی بہتوں نے سُنا ہی نہیں۔ اور اگر سنا ہے تو سمجھا ہی نہیں پس میں یہی نہیں کہتا کہ اس بات کو یاد رکھو۔ کیونکہ بہت کم ہیں جنہیں یاد رکھنے کے لیے کہا جا سکتا ہے۔ اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سُنا ہی نہیں۔ اس لیے میں کہتا ہوں۔ وہ سُنیں اور جنہوں نے سُنا ہے۔ وہ یاد رکھیں۔ اور جنہوں نے یاد کر کے بُھلا دیا ہے۔ وہ یاد کریں۔ اور یاد رکھیں کہ تبلیغ اور سچے سلسلہ کی اشاعت مولویوں کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی۔ مولویوں کا اور کام ہوا کرتا ہے۔ ان کی مثال خزانچی کی سی ہوتی ہے! اور ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ ہتھیاروں اور دوسرے سامان کو جمع کریں اور اس کی حفاظت کریں۔ وہ افسر لیڈر اور خزانچی کا کام دے سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ تمام فوج ان سے بھرتی کی جائے۔

جس طرح کوئی فوج ایسی نہیں ہوتی کہ جس میں تمام افسر ہی افسر ہوں اور وہ دشمن سے لڑکر فتح پائیں۔ اسی طرح کوئی سلسلہ ترقی نہیں کر سکتا جس کا سارا کام صرف علماء کے سپرد ہو۔ اور شریعت نے تبلیغ کا کام صرف علماء ہی کے سپرد نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران: ۱۱۱) اس میں سب کو مخاطب کیا گیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ صرف علماء لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہا ہے کہ تم سب دُنیا کے فائدہ کے لیے پیدا کئے گئے ہو۔

پس ہر ایک وہ شخص جو اسلام قبول کرتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ کہ ہر ایک وہ شخص جو احمدیت قبول کرتا ہے اس کا فرض ہے کہ تبلیغ کرے۔ کیونکہ کوئی سلسلہ ترقی نہیں کرتا جب تک اس کی تبلیغی کوشش کا انحصار صرف علماء پر ہو۔ علماء کا کام ہی اور ہے اور وہ افسروں اور راہ نماؤں کا کام دے سکتے ہیں۔

جس طرح افسر فوجی سپاہیوں کا سارا کام سرانجام نہیں دے سکتے۔ اسی طرح علماء بھی تبلیغ کا سارا کام نہیں کر سکتے۔ ان کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو ان کی نگہداشت میں کام کریں اور ان سے تربیت حاصل کر کے خود عمل کریں۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کو عوام کے ساتھ ملنے کے موقع ملتے رہتے ہیں۔ اور اس میل جول سے جس قدر ان کو لوگوں کی طبائع کی واقفیت ہوتی ہے۔ اتنی علماء کو نہیں ہوتی۔ کیونکہ عوام علماء سے نہیں ملتے اور نہ ملنا چاہتے ہیں۔ دیکھو عام لوگ عیسائیوں سے ملتے اور باتیں کرتے ہیں، لیکن پادریوں سے نہیں ملتے ہیں۔ اسی طرح عوام علماء سے نہیں ملتے۔ دوسرے لوگوں سے ملتے ہیں۔ کیونکہ ان سے نڈر ہوتے ہیں۔ اور علماء کے متعلق سمجھتے ہیں کہ اگر ہم ان کے پاس گئے۔ تو شکار ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہماری جماعت کے عام لوگ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کر لیں کہ ملنے والوں کو پکڑ سکیں۔ تو جو شخص ان سے ملے گا۔ وہ شکار ہو جاتے گا۔

پس صرف علماء پر تبلیغ کا دارو مدار رکھنا درست نہیں اور اس کا یہ مطلب ہوگا کہ ایسے محدود اور تنگ حلقہ میں تبلیغ کو محصور کر دیا جائے کہ جس سے نکل ہی نہ سکے۔ کیونکہ کوئی بڑا ہی شوقین جوش والا۔ اور تیز طبع رکھنے والا ہو۔ تو علماء کے پاس آنے کی جرأت کرے گا۔ ورنہ جب عوام کو معلوم ہو کہ یہ علماء ہیں تو کہیں گے کہ ہم مولوی ثناء اللہ کو لائیں گے تب باتیں سنیں گے۔

تو علماء کا کام لیڈری اور راہ نمائی ہے اور یہ کام کہ عوام کے اندر گھس کر ان کو تبلیغ کریں۔ عام لوگوں کا ہے۔ وہی ان کے اندر جا کر ڈائنامیٹ کا کام دے سکتے ہیں۔ جس طرح عمارت کے نیچے بارود رکھ کر آگ دینے سے وہ اڑ جاتی ہے۔ اسی طرح عوام لوگوں کے اندر گھس کر کام دے سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری جماعت کے ہر ایک شخص کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور تبلیغ میں لگ جانا چاہیئے۔

پھر یہ خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ تبلیغ صرف دلائل سے نہیں ہوتی۔ تبلیغ اخلاق، محبت، پیار اور اُلفت سے ہوتی ہے جس کے دل میں کسی کا درد ہوتا ہے۔ اس کی طرف وہ خود بخود کھینچا چلا آتا ہے۔ تم اس طریق کو بدل دو۔ جو بحث مباحثہ کا ہے۔ اس طرزِ عمل کو بدل دو کہ وفاتِ مسیح کی دلیل کا جواب جب کوئی نہ دے سکے۔ تو اس پر قہقہہ لگایا جائے کہ چپ ہو گیا ہے۔ تم اس طریق پر عمل کرو کہ تمہیں ہارنا منظور ہو۔ مگر تمہاری باتوں میں ہمدردی اور اخلاص پایا جائے۔ یہ طریق ہے کامیابی حاصل کرنے کا۔ وہ شخص جو بحث اس لیے کرتا ہے کہ مجلس میں اپنا رنگ جمائے۔ اس کی باتوں کا اثر صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ لوگ ہنس دیتے ہیں۔ مگر وہ جو اس لیے بحث کرتا ہے کہ لوگ ہدایت پائیں۔ اس کی باتوں کا اثر گہرا ہوتا ہے۔

مگر بہت لوگ ایسے ہیں جو بحث بحث کے لیے کرتے ہیں اور یہ بات مدنظر رکھ کر دوسرے سے گفتگو کرتے ہیں کہ انہیں ایسے دلائل معلوم ہیں جن سے مخالف کو چپ کرا دیں اور لوگوں میں بتائیں کہ وہ کیسا کمزور اور بے علم ہے حالانکہ صداقت کے پہنچانے اور ہدایت کی طرف لانے کا یہ ذریعہ نہیں ہے۔

بعض اوقات کسی شریر کے مقابلہ میں یہ ذریعہ بھی استعمال کرنا پڑتا ہے۔ جب کہ وہ عوام پر اس طرح اثر ڈالنا چاہتا ہو کہ میں بڑا عالم ہوں اور میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، لیکن عوام کے لیے یہ طرزِ عمل مفید نہیں ہو سکتا۔ ان کے لیے یہی ہے کہ محبت اخلاص اور ہمدردی سے انہیں سمجھایا جائے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی اثر کر جاتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک آدمی تو بڑا تغیر پیدا کر دیتا ہے اور دوسرا ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پاس رہنے والوں کو بھی متاثر نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ اس کے دل میں وہ جوش وہ تڑپ وہ ہمدردی وہ اخلاص نہیں ہوتا۔ جو دوسرے کے

دل میں ہوتا ہے۔

تو خالی دلائل سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ جب تک اپنے اندر محبت۔ اخلاص سوز اور گداز نہ ہو۔ یہ اپنے اندر پیدا کرو۔ ان کے پیدا ہونے پر خود بخود تمہاری باتوں کا لوگوں پر اثر ہوگا۔ اور اگر تم مُنہ سے نہ بھی بولو گے۔ تو بھی تمہارے قلب کا اثر کام کرتا رہے گا۔ صلحاء اور اولیاء کی مجلسوں میں بیٹھنے کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس کے لیے ان کے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انکے سانس لینے۔ ان کے دیکھنے اور ان کے چھونے میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ اور ان کے جسم سے نُورانی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ان کا اثر ہوتا ہے۔

پس اپنے اندر وہ سوز اور گداز پیدا کرو کہ لوگ خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں۔ اور ہر ایک اس فرض کو سمجھے تا ایسا نہ ہو کہ ہماری کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلے۔

اوّل یہ سُن لو کہ ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ اشاعت اسلام کرے۔ پھر یہ بھی یاد رکھو کہ اس کے لیے جو ذرائع ہیں۔ جب تک ان سے کام نہ لیا جائے۔ نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ تمہارے دل میں لوگوں کا پیار۔ محبت اخلاص ہونا چاہیئے اور ان کے لیے اپنے اندر قربانی کے جذبات پیدا کرنے چاہئیں۔ اس کو دیکھ کر لوگوں میں تمہاری باتیں سُننے۔ سمجھنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کا خیال ہوگا۔ لیکن اگر تم کسی پر اس طرح کوئی اثر نہیں ڈال سکتے اور اس کو اپنی باتوں کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے۔ تو پھر دلائل سنانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ عملی طور پر انہیں اپنی ہمدردی اور اخلاص کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے اور جب کسی کے اندر ہمدردی اور اخلاص اور درد پیدا ہو جائے تو پھر اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود بخود اس کا احساس ہونے لگ جاتا ہے۔ بیٹری پکڑو تو آپ ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں بجلی ہے۔ اسی طرح جس کے دل میں خدا کی محبت اور اخلاص ہو۔ وہ اس کی مخلوق سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے اور اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس کے پاس سے گزرتا ہے وہ خود بخود اس سے متاثر ہو جاتا ہے۔

دیکھو مقناطیس کے ساتھ لوہے کو اُٹھا کر رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مقناطیس خود بخود لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اسی طرح وہ انسان جو قوتِ مقناطیسی اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔ اس کو بولنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خود بخود اس کا اثر پڑتا ہے۔

مگر اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ گونگا بن کر بیٹھا رہتا ہے۔ وہ زبان سے بھی کام لیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ خدا کی پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی طرح آنکھ سے دیکھتا۔ ہاتھ سے چھُوتا ہے مگر اس کی نیت یہی ہوتی ہے کہ اس سے دوسرے کا قلب صاف ہوگا۔ وہ نگاہ ڈالتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کا اثر ہوگا۔ وہ بات کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ بے اثر نہ رہے گی۔ اسی طرح وہ اپنے ہر ایک عضو کو

اثر ڈالنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔اور جب وہ اس قدر ہتھیاروں سے کام لیتا ہے۔ تو پھر اس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔پس جس کی زبان۔آنکھ۔قلب اور جسم میں اثر پیدا ہوجاتا ہے۔اس کے اندر آگ نمودار ہوجاتی ہے۔اور جہاں آگ ہوگی اثر کئے بغیر نہیں رہے گی۔اگر کسی مکان میں آگ جلا دو۔تو وہ گرم ہوجائے گا۔اسی طرح جب کسی انسان کے اندر خدا کی محبت کی آگ پیدا ہوتی اور قلب میں ہمدردی کی آگ بھڑکتی ہے تو جسم۔زبان۔آنکھ۔ہاتھ میں اس کی تاثیر آجاتی ہے۔

پس تم اپنے اندر ایسی آگ پیدا کرو اور اس کو پیدا کرکے لوگوں سے اخلاص اور محبت سے بات چیت کرو۔کسی مسئلہ کے متعلق دلائل جاننے کا ثبوت دینے کے لیے نہیں۔بحث کرنے کے لیے نہیں۔چپ کرانے کے لیے نہیں۔بلکہ اس طرح ان سے ہمدردی کرو جس طرح ڈوبنے والے کو بچانے کے لیے کی جاتی ہے۔

تم مقناطیس بن جاؤ کہ لوگ خود بخود کھنچے آئیں۔تم آگ ہو جاؤ کہ لوگوں کے خس وخاشاک جل جائیں اور تمہارے ذریعہ پاک وصاف ہوجائیں،لیکن اگر تم نے علماء پر بھروسہ رکھا۔اور خود کچھ نہ کیا تو قیامت آجائے گی،مگر تم وہ دن نہ دیکھو گے۔جو کامیابی کا دن ہے اور اس فرض کو پورا نہ کرسکو گے جس کے لیے کھڑے کیے گئے ہو۔

اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو توفیق دے کہ وہ تبلیغ دین میں پوری کوشش اور ہمت سے لگ جائے اور ایسے طریق اختیار کرے جو کامیابی کے لیے مقرر ہیں۔"

(الفضل ۱۵ر نومبر ۱۹۲۰ء)

(صفحہ ۳۰ سے آگے)

اور بچوں کو اس امر کی توفیق بخشے کہ وہ دین کی خدمت کے لئے زیادہ سے زیادہ قربانیوں سے کام لیں اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں منافقت سے بچائے۔ اُن کے ایمانوں کو مضبوط کرے ان کے دلوں میں اپنا سچا عشق پیدا کرے اور انہیں دین کی بے لوث خدمت کی اس رنگ میں توفیق بخشے جس رنگ میں صحابہؓ کرام کو ملی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو بھی دین کا سچا خادم اور اسلام کا بہادر سپاہی بنائے اور انہیں ہمیشہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تقریر سالانہ جلسہ فرمودہ ۲۸ دسمبر ۱۹۶۰ء از اخبار الفضل ۶ جنوری ۱۹۶۱ء

خطبہ جمعہ

فرمودہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بمقام بیت الفضل لندن ، بتاریخ ۸ نومبر ۱۳۷۰ہش / ۱۹۹۱ء

تشہد وتعوّذ اور سورۃ الفاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیت کریمہ کی تلاوت کی :-

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ (سورۃ النحل : آیت ۱۲۶)

اور پھر فرمایا :-

یہ آیت جس کی مَیں نے تلاوت کی ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس جہاد کے مضمون کو بیان فرماتی ہے جو حقیقی اور اوّل اور افضل جہاد ہے یعنی اپنے رب کی طرف بنی نوع انسان کو بلانا ۔ یہ جہاد کیسے کیا جائے گا ۔ کن ہتھیاروں سے یہ جنگ لڑی جائے گی اس کے متعلق یہ آیت کریمہ فرماتی ہے کہ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ ۔ اپنے رب کی راہ کی طرف بنی نوع انسان کو حکمت کے ساتھ بلاؤ ۔ تلوار یا جبر کے ساتھ نہیں ، ڈانٹ ڈپٹ کر اور دھمکا کر نہیں بلکہ حکمت کے ساتھ بلاؤ ۔ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ اور نیک نصیحت کے ذریعے ، ایسی دلکش نصیحت کے ذریعے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لے ۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اور بالآخر اگر مقابلہ کرنا ہی پڑے تو بہترین رنگ میں مقابلہ کرو ۔ سب سے اچھے دلائل کو اختیار کرو ۔ احسن رنگ میں یعنی دلکش انداز میں ان دلائل کو پیش کرو کیونکہ مقصد دل جیتنا ہے نہ کہ لوگوں کو شکست دینا ۔ پس یہ وہ اوّل اور حقیقی جہاد ہے جس کی طرف قرآن کریم ہر مومن کو بلاتا ہے اور اس جہاد کے اسلوب سے بڑے واضح طور پر آگاہ فرماتا ہے ۔ وہ ہتھیار بھی بیان کر دیئے جو اس جہاد میں استعمال ہوں گے ۔

اس آیت کریمہ کے علاوہ اسی مضمون پر اور بھی آیات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ (دعوت الی اللہ) کیلئے صبر کی بڑی ضرورت ہے ۔ حکمت کے علاوہ دعاؤں کی بڑی ضرورت ہے ۔ چنانچہ انبیاء کرام کے طریقِ (دعوت) الی اللہ کو جو قرآن کریم نے کھول کر بیان فرمایا اس میں دعاؤں کا مضمون بھی ساتھ ساتھ اس طرح شامل ہے جیسے زندگی کے ساتھ سانس شامل ہوں اور یہاں حکمت ، کے لفظ کو تو اختیار فرمایا ۔ موعظہ حسنہ کا ذکر کیا اور جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ کا ارشاد ہوا لیکن دُعا کا ذکر نہیں ۔ اس سے مَیں سمجھتا ہوں کہ حکمت کے اندر سب سے پہلے دُعا آتی ہے کیونکہ حکمت سے مراد یہ ہے یعنی مختلف معانی لفظ حکمت کے ہیں لیکن اس مضمون سے تعلق میں خصوصیت کے ساتھ حکمت کے یہ معنی ہیں کہ تم اپنے مقصد کو کم سے کم کوشش ، کم سے کم نقصان کے ذریعے زیادہ سے زیادہ احسن رنگ میں حاصل کرو ۔ دراصل ہر جگہ ، زندگی کے ہر شعبہ پر حکمت کا یہی مضمون اطلاق پاتا ہے ۔ وہ کام جو کم سے کم کوشش ، کم سے کم جدوجہد کے ذریعہ کرنے کی کوشش کی جائے لیکن شرط یہ ہو کہ زیادہ سے زیادہ نتائج حاصل ہوں ۔ پس کم سے کم کا فیصلہ زیادہ سے زیادہ کا نتیجہ کرے گا ۔ اگر زیادہ سے زیادہ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے زیادہ محنت درکار ہے تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ پھر زیادہ محنت کی جائے مگر بے ضرورت محنت نہ کی جائے اور بے کار محنت نہ کی جائے ۔ ایسی کوشش نہ کی جائے جو نتیجہ خیز نہ ہو اور جو مضمون سے بے تعلق ہو اس سلسلہ میں چونکہ مؤمن کی ہر تدبیر کارگر ہونے کے لئے دُعا کی محتاج رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔ اس لئے حکمت کے لفظ میں سب سے پہلے دُعا کا مضمون شامل ہے ۔ اور حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم نے جو عظیم الشان انقلابی فتح اپنے مدّمقابل پر حاصل فرمائی اور گنتی کے چند سالوں میں یہ حیرت انگیز بے مثل معجزہ کر دکھایا کہ سارے عرب کی کایا پلٹ دی ۔ ایسے مخالف اور جاہل عرب کی کایا پلٹ دی جو کلیتہً متحد ہو کر آپ کو اور آپ کے پیغام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تُلا بیٹھا تھا ۔ ایسا عجیب انقلاب وہاں برپا ہوا کہ قرآن کریم فرماتا ہے :-

فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ (سورۃ السجدۃ آیت ۳۵)

اچانک تُو یہ دیکھے گا کہ وہ لوگ جو میری ہدایت کے مطابق حکمت اور موعظۂ حسنہ وغیرہ سے (دعوت الی اللہ) کرتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں ان کی کوششیں ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیں گی ۔ اِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ اچانک تُو یہ دیکھے گا کہ وہ جو تیرے خون کا پیاسا تھا جو تیرا دشمن تھا وہ تیرا جانثار دوست بن چکا ہے ۔

پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم نے محض رسمًا نام تبدیل نہیں کئے اور عقلاً قائل نہیں کیا بلکہ دل جیتے ہیں اور ایسے دل جیتے جو آپ پر فدا ہونے کے لئے تڑپتے رہے یہ وہ آخری مقصد ہے جو (دعوت الی اللہ) کا آخری مقصد ہے اور اس کے حصول کے لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم کا سب سے بڑا اور کارگر ہتھیار دعا تھی ۔ ہر قدم پر دعا فرمائی ۔ یہاں تک کہ جب آپ سب سے زیادہ مظلوم ہوئے اور دکھوں میں مبتلا کئے گئے تو اس وقت جبکہ بد دعا کا وقت ہوتا ہے ، اس وقت بھی آپ کے قلبِ مطہّر سے اپنے دشمنوں کے لئے دُعا نکلی اور دُعا بھی ہدایت کی دُعا نکلی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی کی دعائیں تھیں جنہوں نے یہ انقلاب برپا کیا اور حکمت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ جب دل دُکھا ہوا ہو اور بے اختیار بد دعائیں پھوٹنے کو تیار ہوں تو اس وقت خدا تعالیٰ کی رحمت کو جوش میں لانے کے لئے انسان اپنے جذبات کو قربان کرتے ہوئے ظالموں کے حق میں ہدایت کی دُعا کرے ۔ مظلوم کی دُعا ضرور قبول ہوتی

ہے۔ لیکن مظلوم کی دُعا جو اپنے دشمنوں کے خلاف ہونے کی بجائے ان کے حق میں ہو اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کے لئے قبولیت کے سوا رہ کیا جاتا ہے۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں ہمیں حکمت کا سب سے پہلا اور سب سے اہم گُر یہی سمجھایا کہ دعائیں کرو اور دعاؤں پر بھروسہ رکھو۔ ہر حال میں دعائیں کرو اور دعاؤں ہی کے ذریعہ تمہاری جنگ جیتی جائے گی۔ یہ تمہارا سب سے طاقتور سب سے بڑا اور سب سے زیادہ قابل اعتماد ہتھیار ہے جس کے سوا خدا کی راہ میں کامیابی کے ساتھ دعوت نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بہت سی آیات کریمہ جن میں انبیاء اور دیگر بزرگوں کی دعوت الی اللہ کا ذکر ہے ان میں دُعا کا مضمون سب جگہ شامل ہے۔

حضرت موسیٰؑ جب فرعون سے محوِ گفتگو ہیں بار بار خدا کی طرف توجہ جاتی ہے۔ خدا کے حوالے دیتے ہیں۔ خدا پر توکل کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے وہ متبعین جنہوں نے اس مناظرے اور مقابلے کے وقت آپ کے نئے پیغام کو قبول کیا اور خدا اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے جب فرعون ان کو دھمکیاں دیتا ہے تو معاً ان کی توجہ بھی دُعا ہی کی طرف جاتی ہے اور خدا پر بھروسے کا ذکر کرتے ہیں۔ غرضیکہ انبیاء کی جو روئیداد قرآن کریم میں جگہ جگہ پھیلی پڑی ہے اور انبیاء کے ماننے والوں کی جو باتیں بیان ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہمیت ان کے خدا پر توکل کو دی گئی اور خدا پر توکل کے نتیجے ہی میں جو دعائیں دل سے پھوٹی ہیں وہی کارگر ثابت ہوئیں اور انہی کے ذریعہ انقلاب عظیم برپا ہوا۔ پس وہ کام اور وہ بظاہر بہت ہی مشکل کام جس کی طرف میں نے جماعت کو بلایا ہے وہ آسان ہو جائے گا۔ اگر آپ بھی یہی ہتھیار استعمال کریں جو بارہا آزمائے جا چکے ہیں۔ یہ ایسا نسخہ نہیں جو نیا ہو اور انوکھا ہو اور پتہ نہیں کہ اس کے کیا نتائج مترتب ہوں گے بلکہ ایسا نسخہ ہے کہ جو ازل سے آج تک جب بھی استعمال ہوا ہمیشہ کارگر ثابت ہوا۔ پس جب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ ہمیں یہ دُعا بھی کرنی چاہیئے اور یہ جدوجہد بھی کرنی چاہیئے اور خدا کے ڈر سے یہ اُمید رکھنی چاہیئے کہ ہم اپنی زندگیوں میں ایک کروڑ احمدی اور بنالیں، ایک کروڑ ایسی روحیں خدا کی راہ میں اُس کے قدموں میں ڈال دیں جو اس سے پہلے خدا سے برگشتہ تھیں یا خدا کے لئے اجنبی تھیں تو یہ اتنا بڑا کام نہیں جتنا بظاہر دکھائی دیتا ہے کیونکہ دعاؤں کے نتیجہ میں بہت بڑے بڑے کام آسان ہو جایا کرتے ہیں۔ پہاڑ ٹل سکتے ہیں اور یہی وہ مضمون ہے جس کو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ اگر تم میں رائی برابر بھی ایمان ہو گا اور تم پہاڑوں کو اپنی طرف بلاؤ گے تو وہ تمہاری طرف آ جائیں گے۔ اس سے ظاہری پہاڑ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ سرکش قومیں ہیں جو خدا کا پیغام سننے کے لئے تیار نہیں۔ ان کو ایمان اور دُعا کی دولت سے بلایا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ وہ سب سے اہم ذریعہ دعوت الی اللہ ہے جس کی طرف جماعت کو جس سنجیدگی سے توجہ کرنی چاہیئے اس سنجیدگی سے توجہ نہیں کر رہی میں اس لئے یہ بات یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اگر اس سنجیدگی سے توجہ کی جاتی تو وہ نتیجہ ضرور نکلنا تھا جو پہلے نکلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین تبدیل نہیں ہوا کرتے۔ قانونِ قدرت نے دیکھیں آپ کو یہ سکھایا کہ محنت کر کے زمین تیار کرو اور اس میں بیج ڈالو تو وہ بیج ضرور سرسبز کھیتیوں کی شکل میں پھوٹے گا اور جتنا ڈالا ہے اس سے بہت زیادہ تمہیں واپس کرے گا۔ یہ ایک ایسا قانونِ قدرت ہے جو سوائے استثنائی ابتلاؤں کے ہمیشہ کارگر رہا ہے اور کبھی بھی یہ نسخہ ناکام نہیں ہوا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ روحانی دنیا میں ایک دستور جاری فرمائے، ایک قانون بنائے اور وہ لوگ جو اس دستور پر، اس قانون پر اللہ کی رضا کی خاطر عمل کرنے والے ہوں ان سے اس قانون کی منفعتیں چھین لے اور ان کو اس کے نفع سے محروم کر دے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا اور کبھی ہوا نہیں۔ ساری تاریخ انبیاء، ساری تاریخ مذاہب ہمیں بتا رہی ہے کہ دُعا ہمیشہ کارگر ثابت ہوئی ہے اور دُعا کے نتیجہ میں سعید روحوں کو خدا تعالیٰ کی راہ میں کھچے ہوئے دوڑتے ہوئے خدا کے حضور حاضر ہونے کی توفیق ملتی رہی ہے۔

پس دُعا پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی جا رہی۔ بہت سے لوگ مجھے لکھتے ہیں کہ ہم دعوت الی اللہ کر رہے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکل رہا۔ دُعا کرتے ہیں لیکن نتیجہ نہیں نکلتا۔ بعض دفعہ میں جانتا ہوں کہ وہ اپنی دُعاؤں میں بھی مخلص ہیں لیکن دُعا کے علاوہ دعوت الی اللہ کے مضمون میں صبر کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ بعض دفعہ بعض عمل جلدی پھل لاتے ہیں۔ بعض ذرا دیر میں پھل لاتے ہیں۔ مختلف قسم کی زمینیں ہیں جن پر کام ہوا کرتے ہیں۔ مختلف قسم کے بیج ہیں جو بوئے جاتے ہیں۔ بعض بیج ہیں جو آج بوؤ تو کل اُن سے ہریالی نکل آتی ہے۔ مثلاً مکئی کے دانے مجھے یاد ہے بچپن میں ہم خاص طور پر اس لئے بویا کرتے تھے کہ بہت جلدی ان سے روئیدگی پھوٹتی ہے اور بہت جلدی جلدی مکئی کا سرسبز و شاداب پودا آنکھوں کے سامنے بڑھتا ہے لیکن بعض بیج ایسے ہیں جو بہت لمبا وقت لیتے ہیں۔ زمینوں کے ساتھ بھی اس مضمون کا تعلق ہے۔ بعض زمینیں دیر سے بیجوں میں اثر پیدا کرتی ہیں اور ان کو پھوٹنے کے لئے اجازت دیتی ہیں۔ بعض زمینیں جلدی اپنا اثر دکھاتی ہیں۔ جب میں سری لنکا سیلون بوٹینیکل گارڈن دیکھنے گیا تو وہاں مجھے ایک درخت دیکھ کر تعجب ہوا جس کے متعلق پتہ لگا کہ ہزاروں سال پرانا ہے اور اس کا پھل میچیور (MATURE) ہونے یا بالغ ہونے میں بہت سے سال لگتے ہیں۔ دس پندرہ سال تک وہ پھل آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے۔ اس پر مجھے اب بعینہٖ یقین سے تو یاد نہیں مگر ۶۰ سال یا اس سے زیادہ مدت اس نے بتائی کہ اس عرصہ میں اس کا بیج پھوٹ کر پودا مناسب قد کو پہنچتا ہے یعنی جوان ابھی نہیں ہوا ہوتا لیکن باقاعدہ ایک پودے کی شکل اختیار کر چکا ہوتا ہے۔ اس عمل کے لئے ۶۰ سال درکار ہیں تو اگر کوئی بے صبرا دُعا کرنے والا اس بیج پر دُعا کرتا تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے پہلے مر جاتا کہ وہ پودا بڑا ہو کر پھل لانے کے قابل ہوتا کیونکہ ۶۰ سال کے بعد اس کی بلوغت کا دَور شروع ہوتا ہے اور پھر ایک لمبا عرصہ اس کو پھل لانے میں لگتا ہے تو اللہ کے قوانین جاری و ساری ہیں اور فوراً عمل دکھاتے ہیں۔ لیکن یہ قوانین جن حالات پر صادر ہوتے ہیں وہ حالات بھی تو بدلتے رہتے ہیں۔ ان کی کیفیات مختلف ہیں۔ کچھ حالات خدا کے ایک قانون کے تابع ہیں کچھ دوسرے قانون کے تابع ہیں پس ایسے لوگ جو بے صبری دکھاتے ہیں وہ بعض دفعہ اپنی ذات پر یا خدا کی ذات پر بدظنی شروع کر دیتے ہیں کہ یا ہماری دعاؤں میں کوئی اثر ہی نہیں یا خدا سنتا نہیں۔ اُن کو بعد میں شرمندگی اٹھانی پڑتی ہے۔ پس اپنی کیفیت کو درست کریں۔ اللہ کی ذات پر کامل توکل رکھیں۔ دعا اس طرح کریں

جیسا کہ دُعا کرنے کا حق ہے اور صبر کو اختیار کریں اور اپنی طرف سے سب کچھ خُدا کے حضور حاضر کر دیں۔ پھر یاد رکھیں کہ پھل پھول لانا اس کا کام ہے۔ میاں محمد لکھوکی والوں کا یا مجھے یاد نہیں رہا کہ کن کا وہ پنجابی کا شعر ہے۔ ہے بہر حال کسی صوفی بزرگ کا ، کہ مالی کا کام تو یہ ہے کہ وہ محنت کرے ، درخت لگائے اور پھر بھر بھر مشکیں ڈالے آگے مالک کا کام ہے پھل پھول لائے نہ لائے۔ یہ اس کا کام ہے۔ یہ مالی کے اختیار کی بات نہیں۔ اس کے سپرد جو کام ہے وہ بہر حال کرے اور پھر باقی معاملہ خُدا کے سپرد کر دے۔ یہ دعوت الی اللہ کا وہ مضمون ہے جو دعا سے اور صبر سے تعلق رکھتا ہے۔

اس ضمن میں مَیں ایک اور بات واضح کرنی چاہتا ہوں کہ خُدا کے سپرد کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ذمہ داری خدا پر پھینک دے اور جب یہ سوال پیدا ہو کہ تمہاری کوششوں کو پھل نہیں لگ رہے تو آدمی بڑی بیزاری سے یا بے تعلقی سے یہ کہہ دے کہ جی ! مَیں نے جو کرنا تھا کر لیا آگے اللہ کی مرضی۔ یہی بات کہ اللہ کی مرضی اور اللہ کا اختیار ایک صوفیانہ جذبۂ عشق کے ساتھ بھی بیان کی جاتی ہے اور ایک نہایت گستاخانہ بیہودہ طریق پر بھی بیان کی جاتی ہے۔ بات ایک ہی ہوتی ہے مگر اس کے نتائج بالکل مختلف نکلتے ہیں۔ وہ لوگ جو خدا کی عظمت کو مدّنظر رکھتے ہوئے اس کی محبت میں پگھل کر یہ کہتے ہیں کہ وہ مالک ہے جب چاہے گا دے گا اور ہم اس کی رضا پر ہر حال میں راضی ہیں یہانتک کہ وہ نہ بھی دے گا تب بھی راضی ہیں۔ اس بات میں ایک غیر معمولی جذب پایا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرنے کے لئے بعض عظیم الشان کام دکھاتا ہے۔ بعض دفعہ بعض دعائیں اس اظہار کے نتیجہ میں مقبول ہو جاتی ہیں حالانکہ انسان کے دل کی کیفیت تو وہی رہتی ہے جو ہمیشہ سے ہے لیکن بعض دفعہ انسان ایک دُکھے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کرتے ہوئے کہ میری دعائیں قبول ہونگی ، ہونگی ، ہونگی آخر یہ سوچتا ہے کہ کیوں نہیں ہوئیں۔ اس وقت دل بڑی پختگی کے ساتھ اس سارے مضمون پر غور کرتا ہے اور آخری نتیجہ یہ نکالتا ہے کہ مَیں راضی ہوں۔ میرے اندر کوئی فتور نہیں ہے اور خُدا کے حضور اپنے دل کی کیفیت اس طرح پیش کر دیتا ہے کہ اس وقت یہ بات دعا بن جاتی ہے اور عظیم الشان جذب کی طاقت رکھتی ہے یعنی اللہ کی رحمت کو جذب کرنے کی طاقت رکھتی ہے لیکن ایک بدتمیز آدمی جس کو کہا جائے کہ جی آپ کے سپرد یہ کام کیا تھا یا آپ نے ابھی کام کیا نہیں تو وہ کہے کہ جی مَیں نے جو کرنا تھا کر دیا۔ آگے میرا کام نہیں نتیجہ نکالنا ، یہ اللہ کا کام ہے۔ اس بات میں بڑی سخت بدتمیزی اور گستاخی پائی جاتی ہے یعنی وہ سمجھتا ہے کہ مَیں نے تو پورا کامل کام کیا۔ اس میں کوئی نقص نہیں چھوڑا اور نہیں نکلتا تو خُدا ذمہ دار ہے مَیں ذمہ دار نہیں ہوں۔ یہ بالکل اَور مضمون ہے۔ اس مضمون سے ایسا بھاگیں جیسا کوڑھی سے بعض لوگ بھاگتے ہیں کیونکہ یہ انسان کو ہلاک کرنے والا مضمون ہے اسلئے مومن جہاں توکل رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میری دعا کو ضرور پھل لگیں گے وہاں پھل میں دیر ہونے کی صورت میں اپنے عیوب تلاش کرتا ہے ، اپنی کمزوریوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے اور ہمیشہ یہی سمجھتا ہے کہ دُعا کو تو ضرور پھل لگنا چاہیئے۔ اللہ کی رحمت اگر دیر سے آ رہی ہے یا نہیں آ رہی تو یہ تو شک والا معاملہ ہی نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ دعاؤں کو قبول فرماتا ہے اور اپنے بندوں کی سچی محنتوں کو قبول کرتا ہے۔ آج نہیں تو کل اس کی رحمت ضرور نازل ہوگی لیکن یہ خطرہ بھی تو ہے کہ میرے کام میں نقص رہ گیا ہو ، میری نیتوں میں فتور ہو گیا ہو۔ مَیں نے اس بھونڈے انداز سے کام کیا ہو کہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ قابل قبول ہی نہ ہو۔ اس پہلو سے جب انسان اپنے نفس کا جائزہ لیتا ہے تو حکمت کا ایک دوسرا باب کھل جاتا ہے اور حکمت ایک نئے مضمون کے ساتھ انسان پر روشن ہوتی ہے۔ پھر انسان اپنی دعوت الی اللہ کی کوششوں کا جائزہ لیتا ہے۔ یہ دیکھتا ہے کہ کس حد تک مَیں نے صحیح کام کیا۔ کس حد تک مجھ میں نقائص ہیں۔ کہیں میرے اعمال کی کمزوری تو نہیں جو لوگوں کو مجھ سے دُور بھگاتی ہے۔ کہیں میرے طرز بیان میں تو نقص نہیں کہ لوگوں کے دل میری طرف مائل ہونے کی بجائے وہ مجھ سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ کہیں مَیں بے محل باتیں تو نہیں کرتا کہ جس کے نتیجہ میں عام حالات میں کوئی بات سنتا بھی تو میری بے موقعہ اور بے محل باتوں کے نتیجہ میں مجھ سے بدکتا اور دُور بھاگتا ہے۔ کہیں مَیں ایسی بات تو نہیں کرتا جس میں صرف مجھے دلچسپی ہے اور دوسرے کو کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیا مَیں ایسی باتوں کی تلاش میں رہتا ہوں ، ایسے مواقع کی تلاش میں رہتا ہوں کہ جب ایک شخص کا دل کسی خاص مضمون کی طرف مائل ہوتا ہو اور مَیں خدا تعالیٰ کی دعوت کے مضمون کو اس کے ساتھ چل کر ، اسی رَو میں بہہ کر اس کے حضور پیش کروں یا ان باتوں سے مَیں غافل ہوں تو حکمت کے بہت سے موتی اس کو اس تلاش کے دَوران ملیں گے اگر وہ غوطہ لگانے کی استطاعت رکھتا ہو ، اگر اُسے پتہ ہو کہ اپنے نفس کو ٹٹولنے کے لئے کیسی غوطہ خوری کرنی پڑتی ہے۔ کس طرح محنت کے ساتھ اپنے نقائص کو تلاش کرنا پڑتا ہے تو بات وہی حکمت ہی کی ہے کہ حکمت کا اوّل اور آخر دعا ہے مگر دعا کے بعد اپنے نفس کی نگرانی اور محاسبہ یہ حکمت کا دوسرا تقاضا ہے اور سچے توکل اور خدا تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنے کا ایک طبعی تقاضا ہے۔ پس اس پہلو سے مَیں سمجھتا ہوں کہ بہت سے احمدی اس معاملہ میں بھی غافل ہیں اور انہوں نے کبھی نہ دعا پر اس رنگ میں توجہ دی جیسے دی جانی چاہیئے ، نہ حکمت کے دوسرے تقاضے کو پُورا کیا اور اگر دُعا قبول نہیں ہوتی تو خدا پر الزام دھرنے کی بجائے اپنے نفس کا محاسبہ کیا ہو۔

پس وہ سب لوگ جو سمجھتے ہیں کہ وہ تو پیغام پہنچا رہے ہیں نتیجہ نہیں نکل رہا ان کو مَیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ان سب باتوں پر غور کیا کریں اور ہر چیز کا اپنے مقام پر حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔ دُعا کا حق ادا کرنے کا ایک طریق تو یہ ہے کہ کامل توکل ہو اور یقین ہو کہ خدا دعاؤں کو سنتا ہے۔ دوسرا حق ادا کرنا یہ ہے کہ اپنا دل اس دُعا میں اٹک جائے اور دُعا قبول نہ ہو تو مایوسی نہ ہو مگر دُکھ ضرور ہو۔ بعض دکھ رضا کے ساتھ بھی ہوتے ہیں۔ ایک شخص اپنے محبوب سے کوئی استدعا کرتا ہے ، اس سے کچھ چاہتا ہے اور وہ اُسے نہیں دیتا تو وہ اس پر راضی ضرور ہوگا ناراض نہیں ہوگا لیکن محرومی کا دُکھ پھر بھی اپنی جگہ پر رہتا ہے۔ پس دعا کے ساتھ دکھ کا مضمون شامل ہے اور اس کے ساتھ صبر کا تعلق ہے۔ پس قرآن کریم نے جہاں دعوت اِلی اللہ کے لئے دعا کا مضمون سکھایا موعظہ حسنہ کا مضمون سکھایا وہاں صبر کا مضمون بھی ہمیشہ ساتھ بیان فرمایا تو دُعا کے ساتھ تبھی صبر ہو سکتا ہے جب دکھ پہنچے ورنہ دکھ کے بغیر صبر کے معنی ہی کوئی نہیں۔ کون انسان خوشی پر صبر کرتا ہے۔ کون انسان بے اعتنائی پر جب پرواہ ہی کچھ نہ ہو اس پر صبر کرتا ہے اور آپ نے کسی سے کوئی چیز مانگی اس نے نہیں دی۔ آپ نے کہا جاؤ جہنم میں مجھے پرواہ ہی کوئی نہیں تو صبر کا یہاں کونسا مضمون ہے۔ صبر کا مضمون تو وہاں شروع ہوتا ہے جہاں دکھ شروع ہو ، جہاں تکلیف ہو تو قرآن کریم کی ان آیات نے ہمیں یہ طریق سمجھایا کہ جب دُعا کرو تو پھر تمہیں دکھوں کے رستے سے گزرنا ہوگا۔ دعا بھی دکھ کے ساتھ کرنی ہوگی اور صبر کے ساتھ کرنی ہوگی اور دُعا کے نتیجہ میں اگر

تمہاری تمنّا کے مطابق پھل نہ لگیں یا جیسی تمہیں توقع ہے ویسی عطا نہ ہو تو اس وقت تمہیں صبر کے ساتھ اس صورتحال کو برداشت کرنا ہوگا اور صبر کے نتیجہ میں خدا پر الزام لگانے کی بجائے اپنی تدابیر کا تنقیدی نظر سے جائزہ لینا ہوگا اور یہ دیکھنا ہوگا کہ تمہاری طرف سے کوششوں میں کیا کمی رہ گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعوتِ الی اللہ کی نصیحت کے دوران یہاں صبر بھی فرمایا اور موعظہ حسنہ کا بھی ذکر فرمایا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس تعلق کو خوب کھول کر بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۝ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (سورۃ العصر)

موعظہ اور تواصَوا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی نصیحت کرنا اور یہاں فرمایا: حق کے ساتھ اور صبر کیساتھ نصیحت کرنا دعوتِ الی اللہ کے مضمون میں موعظہ حسنہ اور صبر کا مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔ پس موعظہ حسنہ کا ایک معنی قرآن سے یہ ثابت ہوا کہ موعظۂ حق ہو۔ وہ بات کرو جو سچی ہو۔ سچی بات سے زیادہ خوبصورت اور کوئی بات نہیں ہے اور دلائل کی بات بعد میں شروع کرو، پہلے صاف سچی پیاری بات کرو، ایسی نصیحت کرو جس میں حُسن پایا جاتا ہو۔ موعظہ سچی بھی ہوسکتی ہے اور اس کے باوجود حُسن سے عاری بھی ہوسکتی ہے۔ اگرچہ حق حُسن ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن طرز بیان کا فرق ہوتا ہے۔ اسلئے قرآن کریم نے دعوتِ الی اللہ کے مضمون کو موعظۂ حسنہ کہا ہے جس میں سچائی شامل ہے لیکن لفظِ حسنہ پر زور دیکر یہ بتایا کہ حق بات ایسے رنگ میں کہو کہ دوسرے کو پیاری لگے۔ حق بات ایسے رنگ میں نہ کہو جسے سننے والا بے وجہ تلخی محسوس کرے۔ یہاں یہ بات خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ بعض دفعہ ایسی بات بھی دوسرے کو تلخ محسوس ہوتی ہے جو حسین ہو۔ جسکے اندر غیر معمولی کشش پائی جاتی ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ سننے والے بیمار ہوتے ہیں۔ یہاں ان کا ذکر نہیں چل رہا۔ جو سننے والے بیمار ہیں اُن سے خُدا خود نپٹے گا۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ۝ (سورۃ الغاشیہ ۲۲ تا ۲۵)

کہ اے محمدؐ! تُو تو مذکّر ہے اور تیری نصیحت بہت حسین ہوا کرتی ہے۔ یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم کے مذکّر ہونے کے اندر داخل ہے کیونکہ آپ کو "ذِکرًا" فرمایا گیا ہے۔ ایسا رسول جو مجسم ذکر ہے اور ذِکرًا لفظ کے اندر خدا کی یاد اور نصیحت دونوں مضمونوں کو اکٹھا کردیا گیا ہے۔ پس اس سے زیادہ حسین نصیحت متصور ہی نہیں ہوسکتی جتنی حسین نصیحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ نہیں سُنیں گے۔ کچھ ایسے بدنصیب ہوں گے جو پیٹھ پھیر کر چلے جائیں گے۔ ان کے متعلق فرمایا پھر تیرا کام نہیں ہے اُن سے نپٹنا۔ چونکہ بیماری اُن کی ہے اور بدنصیب وہ ہیں اس لئے اس کی سزا وہ پائیں گے۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ۔ جو پیٹھ پھیرے گا اور انکار کرے گا فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ۔ اللہ تعالیٰ اسے عذابِ اکبر میں مبتلا فرمائے گا۔ پس موعظۂ حسنہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ نصیحت جو لازمًا دوسرے کو خوش کردے وہ نصیحت جو لازمًا دلوں کو کھینچے بلکہ موعظۂ حسنہ سے مراد یہ ہے کہ ایسی حسین نصیحت جو صحتمند انسانوں پر نیک اثر پیدا کرنے والی ہو۔ جو دلوں کے بیمار اور ٹیڑھے ہیں ان کے ردّعمل سے اس کی نصیحت کا غیر حسنہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اگر بیمار متلی سے مرتے ہوئے آدمی کو جو میٹھے کے تصوّر سے بھی قے کرتا ہو آپ انگور کھلائیں گے تو انگور اپنی ذات میں ایک اچھی چیز اور نعمت ہیں لیکن اسکے ردّعمل کے نتیجہ میں انگور کو خراب تو نہیں کہا جاسکتا۔ اس لئے دوسرے آدمی کی صحت ایک لازمی شرط ہے۔ اس بات کے لئے کہ وہ اس نیک اثر کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔

پس موعظہ حسنہ کی تعریف یہ ہے کہ آپ کے دل سے موعظۂ حسنہ اٹھی ہے۔ سننے والے کے کانوں سے اس کا تعلق بعد میں پیدا ہوگا۔ آپ کے دل سے ایسی پیاری آواز اُٹھی ہے۔ آپ کی زبان سے ایسے حسین رنگ میں وہ بات ادا ہوئی ہے اور آپ نے اس مضمون کو ایسے عمدہ رنگ میں جس کو سُنا رہے ہیں اسکے سامنے پیش فرمایا ہے کہ اس کے نتیجہ میں اسے ضرور آپ کی طرف مائل ہونا چاہیئے۔ یہ ہے موعظۂ حسنہ۔ پھر اگر نہیں مائل ہوتا تو اس کا تعلق خدا سے ہے۔ اس کا پھر بندے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور اسکے مائل نہ ہونے کے نتیجہ میں اس پر کوئی حرف نہیں آتا۔ پس یہی آیت کریمہ جس کی مَیں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے اس میں اللہ فرماتا ہے:۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو سچی راہ سے ضرور بھٹکیں گے اور بھٹک جاتے ہیں اور اللہ ان لوگوں کو بہتر جانتا ہے جو ہدایت پانے والے ہوتے ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تم موعظہ حسنہ کروگے تو ضروری نہیں کہ اس موعظۂ حسنہ کے نتیجہ میں لازمًا عظیم الشان تبدیلیاں پیدا ہوں لیکن وہ لوگ جو پاک دل رکھتے ہیں وہ لوگ جو نیک فطرت رکھتے ہیں وہ ضرور اس موعظۂ حسنہ سے کھینچے جائیں گے۔ اس کے مقابل پر موعظۂ سیّئہ یعنی بُری نصیحت کی تعریف یہ بنے گی کہ وہ نصیحت جو نیک فطرت لوگوں کو کھینچنے کی بجائے ان کو اور بھی دُور کردے پس موعظۂ حسنہ میں یہ پوٹینشل (POTENTIAL) ہے۔ یہ اندرونی صلاحیت اور قابلیت موجود ہے کہ اگر سننے والا صحتمند ہو اور اسکے اندر کوئی بیماری نہ ہو تو وہ ضرور اس نصیحت کی طرف کھینچا جائے گا اور بد نصیحت سے مراد یہ ہے کہ اچھی بات ہونے کے باوجود ایسے بے ہودہ رنگ میں پیش کی جائے کہ عام طور پر صحیح الدماغ صحیح صلاحیتوں والا انسان ہو اور وہ قریب آنے کی بجائے بھٹک جائے پس دعوت الی اللہ میں یہ احتیاط بڑی ضروری ہے اور یہ بھی حکمت ہی کی تفصیل ہے پس موعظۂ حسنہ فرمایا اور دلائل کی بات ابھی نہیں کی۔ دلائل بہت بعد میں آتے ہیں۔ سب سے پہلے نیک نصیحت ہے جو عمل دکھاتی ہے اور قرآن کریم نے ہمیشہ موعظۂ حسنہ کو دلائل سے پہلے رکھا ہے۔ جہاں اس مضمون کا ذکر ہے وہاں موعظۂ حسنہ کو پہلے رکھ دیا۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ یہ بھی وہی مضمون ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ جو احسن چیز ہے اسکے ذریعہ بدی کو دُور کرو۔ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ پھر تم دیکھو گے کہ وہ شخص جو تم سے دشمنی رکھتا ہو وہ بھی تمہارا

گہرا جانثار دوست بن جائے گا۔ دوست کبھی بھی دلائل کے ذریعہ نہیں بنا کرتے۔ یہ بات آپ یاد رکھیں۔ یہاں کس حُسن کا ذکر ہے وہ حُسن جس کا جادو دل پر چلتا ہے اور وہ اخلاقِ حسنہ ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو شروع کرتے ہوئے فرمایا۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔ اس سے زیادہ حسین قول کس کا ہو سکتا ہے جس نے خدا کی راہ میں بلایا اور نیک اعمال کے ذریعہ اپنے قول کو زینت بخشی۔ پس قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے موعظہ حسنہ کی یہ تفسیر ہمیں معلوم ہوئی کہ خُدا کی طرف بغیر کسی دلیل کے بلانا، ایک سچے دل کے ساتھ ایک گہرے جذبے کے ساتھ، اس کامل یقین کے ساتھ کہ آپ حق پر ہیں اور آپ خدا کو جانتے ہیں اور خدا کو مل چکے ہیں اور واقعتہً خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور بلانا اس طرح کہ آپ بلانے سے پہلے اپنے اعمال کو زینت بخش چکے ہوں۔ آپ کے اعمال حسین ہو چکے ہوں۔ جب اعمال حسین ہوں گے تو یہ قول حسن بن جائے گا، اس کے بغیر نہیں کیونکہ ان دونوں باتوں کو مشروط فرما دیا ہے۔ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ۔ اس سے زیادہ کون اپنی بات میں حسین ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف بلائے۔ وَعَمِلَ صَالِحًا لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اعمال حسنہ ہوں۔ اس کے اعمال کا حُسن اس کی بات کے حُسن میں تبدیل ہوگا۔

اب یہاں ایک ایسے قولِ حسن کا ذکر چل رہا ہے جو انقلابی طاقت رکھتا ہے۔ جو دلوں کو تبدیل کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ بعض قولِ حسن، بڑی ہی دلکش باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا عمل صالح سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور بڑی بڑی چرب زبانی کے ساتھ وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں مگر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہی اس میں راز ہے کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں قولِ حسن سے مراد یہ نہیں ہے کہ نہایت ہی خوبصورت انداز میں لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرو اور ایسے چسکے کے ساتھ مضمون کو بیان کرو کہ سننے والے کا منہ بھی چٹخارے لینے لگے۔ یہ موعظۂ حسنہ نہیں ہے یہ لفّاظی ہے یہ شاعری ہے یہ چرب زبانی ہے جو چاہیں اس کو کہہ لیں۔ موعظۂ حسنہ عمل حسن سے پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس مضمون کو وَعَمِلَ صَالِحًا سے خوب کھول دیا تو قرآن کریم کی اصطلاحوں کو سمجھنے کے لئے قرآن کریم سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ پس موعظۂ حسنہ صرف اچھی نصیحت نہیں ہے۔ ایسی اچھی نصیحت ہے جس کی تائید میں بہت ہی حسین اعمال کھڑے ہوں جس کی پُشت پناہی میں انسان کا عظیم کردار کھڑا ہو۔ دنیا کے سامنے وہ ایک ایسا کردار لے کر نکلے جو نہ صرف بیدار ہو بلکہ جذب کرنے والا ہو، کھینچنے والا ہو۔ لوگ حیرت سے اس کو دیکھیں کہ یہ کون انسان ہے جو ہم میں اس دنیا میں بستا ہے لیکن ہم سے مختلف ہے اور مَیں نے پہلے بھی بارہا جماعت کو توجہ دلائی ہے کہ اکثر کامیاب داعیانِ الی اللّٰہ وہی ہیں جن کا کردار اُن کے قول کو حُسن اور قوت بخشتا ہے اور انہی کے ذریعہ عظیم الشّان تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔

پس آپ اس بات کو دوبارہ دُعا کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو ایک اور نیا مضمون ہمارے سامنے نکلتا ہے۔ پہلے دعائیں کیں۔ درد دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور التجائیں کیں کہ اے خدا! ہم تیری راہ میں لوگوں کو تیری راہ ہی کی طرف بلانے کے لئے نکلے ہیں ہماری محنتوں کو قبول فرما۔ پھر جب ان میں اثر نہیں دیکھا تو اپنا جائزہ لیا اور دیکھا کہ مجھ میں کیا کیا نقص ہیں۔ کہاں مَیں نے غلطیاں کی ہیں۔ کہاں میری بات میں تشدّد پایا جاتا ہے۔ کہاں میری بات سے لوگ اُسے سُنکر دھکا کھاتے رہے۔ بجائے اس کے کہ میری طرف مائل ہوتے اور کون سی کمزوریاں ہیں جو مجھ میں رونما ہوئیں اور جب اپنی ناکارہ حالت کو پہچان لیا، اپنی بے بسی کو محسوس کر لیا تو اس کیفیت سے ایک نیا دُکھ اُبھرے گا اور اس کیفیت سے پھر ایک دعا اور اُٹھے گی گویا پہلی دُعا کو تقویت دینے کے لئے ایک ترمیم شدہ دُعا، ایک نئی دُعا دل سے اُٹھے گی جس میں انسان یہ عرض کرے گا کہ اے خدا! مَیں دعائیں تو کرتا رہا مگر اپنے حال سے غافل تھا۔ مجھے پتہ نہیں لگ سکا کہ تیری راہ میں چلنے کے کیا آداب ہیں اور تیری راہ میں بلانے کے کیا طریقے ہیں۔ پس اب مَیں نے پہچانا ہے اور پوری طرح نہیں کسی حد تک مَیں واقف ہوا ہوں۔ میں اپنے اعمال کی ایسی اصلاح چاہتا ہوں کہ میرا قول حسن بن جائے اور قولِ حسن کی تعریف تُو نے یہ فرمائی ہے۔ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ۔ کہ اچانک یہ معجزہ رونما ہو جائے کہ وہ جو تیرا دشمن تھا وہ تجھ پر جانثار دوست بن جائے اے خُدا مَیں تو یہ نہیں دیکھ رہا میری دعاؤں میں اگر کوئی کمی ہے تو میری دُعا یہ ہے کہ اس کمی کو پُورا فرما دے۔ میرے اعمال میں جو نقائص میرے سامنے روشن ہوئے ہیں ان نقائص کو دُور فرما دے۔ کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جن پر مجھے استطاعت نہیں ہے۔ مَیں چاہتا بھی ہوں تو دُور نہیں کر سکتا اور اکثر وہ نقائص جو جان کو وبال کی طرح چمٹ جاتے ہیں، جو امراضِ مُزمنہ بن جاتے ہیں یعنی دائمی امراض بن جاتے ہیں ان کے متعلق یہ ضروری نہیں ہے کہ اس شخص کو آپ ایسا بے حس اور بے دین سمجھیں کہ نیکی کی باتیں کرنے کے باوجود وہ بعض اعمال میں گندا ہے۔ اس مضمون کو اگر قرآن کی روشنی میں سمجھیں گے تو آپ کو یہ فتویٰ دیتے ہوئے خوف محسوس کرنا چاہیئے کیونکہ ہر انسان کے ساتھ کچھ ایسے عوارض چمٹے ہوئے ہیں جن کو وہ پسند نہیں کرتا۔ بعض دفعہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ بعض دفعہ ان سے وحشت کھاتا ہے لیکن اس کے باوجود دور کرنے میں اس کو طاقت نہیں۔ ڈرگ ایڈکشن (DRUG ADDICTION) اور EVIL ADDICTION دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اور فطرت کے ایک ہی حصّے میں ان کی جڑیں ہیں۔ DRUGS کے ساتھ جو لوگ چمٹ جاتے ہیں نشہ آور دواؤں کے جو شکار ہو جاتے ہیں ان کو ایک موقعہ پر محسوس ہوتا ہے کہ ہم بہت ہی گندی حالت میں پہنچ گئے ہیں۔ وہ ہر طرح زور لگاتے ہیں کہ اس حالت سے نکلیں مگر نکل نہیں سکتے اور بعض دفعہ ان کو طبیبوں کی ضرورت پڑتی ہے اور دل چاہتا ہے کہ اس مرض سے چھٹکارہ حاصل کریں مگر نہیں چھٹکارا حاصل کر سکتے۔ طبیبوں کی طرف دوڑتے ہیں اور اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں کہ ہاں مجھ سے جو چاہو کرو مگر میری اس حالت کو بدل دو۔ پس خدا کے حضور ایسے اعمال سے چھٹکارے کے لئے جب انسان کو دعا کرنی ہو تو اپنے آپ کو پیش بھی کرنا ہوگا اور یہاں قبولیّتِ دُعا کا یہ راز ہے جس کو سمجھے بغیر اگر دُعا کریں گے تو قبول نہیں ہوگی۔ وہ مرض جس سے نفرت ہے اس مرض سے نفرت کی حد تک تو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تمہیں نفرت ہے لیکن اس کے باوجود اس سے ایک تعلق بھی قائم ہو چکا ہے اور وہ تعلق بعض دفعہ ایسا گہرا اور ایسا مجبوری کا تعلق ہو جاتا ہے کہ انسان سچے دل سے یہ بھی دعا نہیں کر سکتا کہ مجھے اس سے چھٹکارا نصیب ہو جائے یعنی جس مرض میں مبتلا ہے اس سے چھٹکارے کے لئے دُعا بھی کرتا ہے مگر دعا میں گہری صداقت نہیں پائی جاتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو ٹٹول کر اپنے آپ کو خدا کے سپرد نہیں کرتا، پیش نہیں کرتا اور یہ فیصلہ نہیں کرتا کہ اے خُدا بہت تلخ معاملہ ہے۔ مَیں جانتا ہوں کہ اس بات کو چھوڑنا میرے لئے سخت تلخی کی زندگی کو قبول

کرنا ہوگا اور میری اچھی طرح نظر ہے ۔ پھر بھی مَیں اپنے وجود کو تیرے حضور پیش کر دیتا ہوں جو چاہے کر گزر مجھے اس بیماری سے نجات بخش دے ۔ اس کامل خلوص اور یقین اور گہرے علم کے ساتھ اگر دعا کی جائے تو وہ ضرور مقبول ہوتی ہے تو حکمت کا یہی مضمون بار بار کروٹیں بدلتا ہے ۔ کبھی دعا کی طرف مائل ہوتا ہے، پھر دُعا سے منعکس ہو کر عمل کی دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے ۔ پھر انسان عمل میں اپنے نقائص تلاش کرتا ہے ۔ پھر بداعمالیوں سے چھٹکارے کے لئے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پھر دعائیں کرتا ہے اور اسکے بعد بالآخر اپنی کیفیت پر صبر کے بعد جب دیکھتا ہے کہ مدِّ مقابل کسی طرح سننے پر آمادہ نہیں اور نیک نصیحتیں کارگر نہیں تو پھر دلائل کو بھی استعمال کرتا ہے ۔ پھر جَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کا مضمون بھی شروع ہو جاتا ہے لیکن یہ سب آخر پر ہے لیکن اس کے لئے تیاری بھی ضروری ہے ۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ آخر ایک وقت بات مجادلے تک ضرور پہنچنی ہو الّا ماشاء اللہ اور آپ اس کی تیاری نہ کریں اور پھر دعویٰ کریں کہ ہم خدا کی راہ کی طرف قرآنی تعلیم کے مطابق بلانیوالے ہیں

پس یہ وہ پہلو ہے جو ہمیں علمی تیاری کی طرف متوجہ کرنے والا ہے لیکن بالعموم مَیں نے دیکھا ہے کہ لوگ اوّل تو پوری طرح دُعا نہیں کرتے جیسی لگن کے ساتھ دُعا ہونی چاہئیے ۔ اپنے مقاصد کے لئے اور اپنی مرادیں پانے کے لئے تو دل سے بڑی طاقت سے دُعا اُٹھتی ہے ۔ اپنی ناکامیوں پر حسرت کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کی طرف طبیعت مائل ہوتی اور اسکی مدد چاہتی ہے اور اسکے سہارے ڈھونڈتی ہے لیکن (دعوت الی اللہ) کے معاملہ میں یہ سنجیدگی نہیں ہے ۔ دعا میں وہ بے قراری نہیں ہے ۔ اکثر لوگوں کے دل میں نہیں ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کے بعد پھر (دعوت الی اللہ) کیسے پھل لاسکے گی کیونکہ (دعوت الی اللہ) کا آغاز ہی دُعا سے ہوتا ہے اور اسکے بغیر (دعوت الی اللہ) کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ کوئی معنی خیز سفر نہیں کر سکتی ۔ کوئی معنی خیز نتائج پیدا نہیں کر سکتی تو زبانی پیغام پہنچانا کام نہیں ہے ۔ پھر آگے حکمت کا مضمون ہے اور بہت تفصیل کے ساتھ اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ مَیں نے آج تک بیسیوں مجالس میں اس مضمون پر روشنی ڈالی ہے ۔ ایسی بھی مجالس ہیں جن کی کیسٹس موجود ہیں اور ممکن ہے پچیس ۲۵، تیس ۳۰، چالیس ۴۰ گھنٹے اس مضمون کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو ہو ۔ اسمیں حکمت کا ایک مضمون (دعوت الی اللہ) کو سمجھانے کے لئے مَیں نے حتی المقدور پوری کوشش کی ہے لیکن اسکے باوجود جب بھی مَیں غور کرتا ہوں کوئی نہ کوئی نیا نکتہ پھر ایسا دکھائی دیتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضمون ختم ہونے والا مضمون نہیں ہے ۔ اس رنگ میں کتنے ہیں جو غور کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں ۔ یہ ہے داعی الی اللہ جس کی جماعت کو ضرورت ہے ۔ ایک دُعا گو داعی الی اللہ جو ہمیشہ اپنے اعمال کا نگران ہو اور محاسبہ کرنے والا ہو ۔ جو ہمیشہ عاجزی اور انکسار کے ساتھ جب بھی اپنے اعمال کی کمزوریوں پر نگاہ پڑے ان کمزوریوں کو خدا کے حضور اس التجا کے ساتھ پیش کرنے والا ہو کہ جو چاہتا ہے کر گزر مگر ان دعووں کو مٹا دے ۔ ان کمزوریوں کو دُور فرما دے ۔ وہ جس کے نیک اعمال اس کی موعظۂ حسنہ کو حسین بنا رہے ہوں اور ان میں ایک عظیم الشان جذب پیدا کر رہے ہوں جو بار بار کبھی دُعا کی طرف متوجہ ہو، کبھی اعمال کی طرف ۔ پھر اعمال کو دُعا کے ساتھ ملا کر مختلف کروٹیں بدلتا ہوا ، مختلف پہلو اختیار کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ لیٹے ہوئے بھی اور اُٹھتے ہوئے بھی اور چلتے ہوئے بھی دعاؤں کے ذریعہ خدا سے سہارے مانگ رہا ہو ۔ یہ وہ داعی الی اللہ ہے جس کی جماعت کو ضرورت ہے ۔ پھر وہ صبر کرنے والا ہو ۔ جلدی ہار جانے والا نہ ہو ۔ ایک طریق اگر کارآمد ثابت نہ ہو تو دوسرے طریق کی تلاش کرنے والا ہو اور یہ نہ کہے کہ یا خدا پھل نہیں دے رہا یا زمین ہی گندی اور ناپاک ہے اور اس کو پھل نہیں لگیں گے ۔ ایسی باتیں کرنے والے کو واقعی پھل نہیں لگا کرتے ۔ ان کی دعائیں بھی نامراد ہو جاتی ہیں اور ان کی وہ زمینیں بھی بنجر ثابت ہوتی ہیں جن پر وہ کام کرتے ہیں ۔ زمینوں کو زرخیز سمجھیں یعنی صلاحیت کے لحاظ سے اور اگر پھر محنت اور صبر کے ساتھ کام کریں گے تو بعض زمینوں میں دیر سے پھل ملے گا ۔ لیکن بالآخر ان زمینوں سے پھل ضرور ملے گا ۔ دیر سے روئیدگی باہر آئے گی مگر ضرور باہر آئے گی اور آخر اپنی بلوغت کے سارے منازل طے کر کے پھل تک منتج ہوگی ۔

پس یہ قوانین قدرت ہیں جن پر نظر رکھنی چاہئیے ۔ اس سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی تنظیموں کی اور ان لوگوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں جن کے سپرد انتظام کئے گئے ہیں ۔ اس مضمون پر مَیں انشاء اللہ کسی حد تک اگلے خطبہ میں روشنی ڈالوں گا ۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ جماعت کو یہ باتیں بار بار سمجھائی جا چکی ہیں لیکن اسکے باوجود ان کو کرنے کا سلیقہ نہیں آیا ۔ اس سلسلہ میں جماعت کے وہ بزرگ عہدیدار جن کے سپرد ذمہ داریاں کی گئی ہیں ان کو جس طرح اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں شاید وہ ان باتوں سے لاعلم ہیں یا غافل ہیں ۔ کیسے ان کو کام کرنا چاہئیے ۔ انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں مَیں اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کروں گا ۔ عمومی طور پر میری جماعت کو نصیحت یہ ہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے، زمانہ بہت تیزی سے آگے نکل رہا ہے ۔ اس کمی کو جو ہم اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں کہ ہم وقت سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں ۔ اس کو دعاؤں کے ذریعہ پوری کرنے کی کوشش کریں (دعوت الی اللہ) کے تعلق میں دعائیں ایک الگ معاملہ ہے جس پر روشنی ڈال چکا ہوں ۔ عمومی دعائیں جماعت کے مستقبل کے لئے کریں ۔ عمومی دعائیں جماعت کی بہبود کے لئے کریں اور اس یقین کے ساتھ کریں کہ اگر جماعت کا مستقبل روشن ہے تو ضرور اس عالم کا مستقبل روشن ہے ۔ ضرور انسانیت کا مستقبل روشن ہے ۔ اگر جماعت کے مستقبل کے متعلق خدشے ہیں تو پھر اس انسانیت کے بچنے کی کوئی امید نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی حفاظت کی بھی توفیق بخشے اور بنی نوع انسان کی حفاظت کی توفیق بھی بخشے اور وہ روحانی انقلاب برپا کرنے کی توفیق بخشے جس کے لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم سیّد دوعالم کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا ۔

آج جلسہ سالانہ فرانس کا پہلا دن ہوگا یعنی آج ان کا افتتاحی اجلاس جمعہ کے معاً بعد ہوگا ۔ گذشتہ مرتبہ مَیں نے جاپان کے جلسہ کے لئے جو پیغام بھیجا تھا اس کی دیکھا دیکھی فرانس والوں نے بھی فوراً درخواست بھیج دی کہ ہمارا بھی اگلے خطبہ میں ذکر کر دیں ۔ ان کا اس لحاظ سے بھی خصوصی حق بنتا ہے ۔ ویسے تو ہر جماعت کا ہی حق ہے کہ مَیں نے ان سے جلسہ میں شامل ہونے کے ارادے کا ذکر کیا تھا اور پروگرام بن گیا تھا لیکن کسی اور وجہ سے اس پروگرام کو منسوخ کرنا پڑا ۔ وہاں سے کچھ دوست جو تشریف لائے انہوں نے بتایا کہ اسکی جماعت بیچاری بہت ہی دل شکستہ ہے کیونکہ انہوں نے بڑی محنت اور شوق سے مشن ہاؤس کی خدمت کی ۔ اسے پینٹ کیا ۔ نئے نئے حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ۔ پھولوں کیاریوں کی طرف توجہ دی اور جلسہ کے انتظامات کئے ، شہر کے مختلف بڑے بڑے لوگوں سے رابطے کئے ۔ بعض عالمی شہرت والے دوستوں سے بھی رابطے کئے اور ان کو جلسہ پر آنے کی دعوت دی ۔ اتنے شوق سے وہ گھر سجا کر آپکے انتظار میں بیٹھے ہیں اور آپ نے کہہ دیا میں نہیں آسکتا تو انہوں نے یہ حوالہ دے کر بھی کہا ہے کہ اگر آ نہیں سکتے تو ہمارے متعلق کچھ گفتگو ہی ہو جائے ۔ کچھ ہمارا ذکر ہی چلے جو ہم براہ راست سُنیں ۔ چنانچہ یہ خطبہ وہ براہ راست

سُن رہے ہیں۔ اس لیئے مَیں ان سے عرض کرتا ہوں کہ انشاء اللہ پھر ملاقاتیں ہوں گی۔ مَیں آپ کی ہر رنگ میں دلجوئی کی کوشش کروں گا۔ جو نصیحت مَیں نے آج جماعت کو کی ہے وہی نصیحت آپ کے لیئے ہے۔ فرانس میں سب سے زیادہ دعوت الی اللہ کی کمی ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قوم بنجر ہے لیکن بنجر زمینوں کو بھی تو خدا تعالیٰ زرخیز بنا دیا کرتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ ذکر ہے۔ اگر واقعۃً وہ زمین بنجر ہے تو آپ کی دُعا تو بے پھل کے نہیں، بے ثمر نہیں رہ سکتی۔ آپ کی دُعاؤں میں یہ طاقت ہے اگر آپ سچّے دل سے پورے خلوص کے ساتھ دُعا کا حق ادا کرتے ہوئے دُعا کریں گے تو اگر فرانس کی سرزمین بنجر بھی ہے تو یہ سبز و شاداب بن سکتی ہے۔ قرآن کریم اس مضمون کو بیان کرتے ہُوئے فرماتا ہے کہ

کیا تم نے "اِلَی الْاَرْضِ الْجُرُزِ" نہیں دیکھا۔ کس طرح بنجر زمینوں کی طرف خدا کی رحمت کا پانی جب برس کر چلتا ہے تو ویرانوں کو خوبصورت شاداب گلستانوں میں تبدیل کر دیا کرتا ہے۔ پس بنجر ہی سہی مگر آپ کی دعائیں تو بے ثمر اور بے اثر نہیں ہوسکتیں۔ دعائیں کریں، محنت کریں، کوشش کریں تاکہ (دینِ حق) کا وہ رُوح پرور انقلاب جس نے آخر ساری دنیا میں ضرور آنا ہے فرانس میں بھی اسکی بہار کے کچھ نظارے تو لوگ دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک اور مختصر سا اعلان یہ ہے کہ آجکل سردیوں کی وجہ سے دن اتنے چھوٹے ہوگئے ہیں کہ جمعہ ختم ہونے سے پہلے ہی نماز عصر کا وقت شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ہمیں اختیار ہی کوئی نہیں سوائے اس کے کہ ہم جمعہ کے ساتھ نماز عصر بھی جمع کر لیا کریں۔ اور مجھے پورے شرح صدر کے ساتھ یقین ہے کہ اس کی اجازت ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مجبوری ہے جسے ہم ٹال ہی نہیں سکتے۔ اس لئے جب تک چھوٹے دنوں کا یہ تقاضا رہے گا آئندہ اس وقت تک نمازِ جمعہ کے ساتھ نماز عصر جمع کی جائے گی اور آج بھی کی جائے گی ؂

تبلیغ کرو تبلیغ کرو

میدان یہاں سب خالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو
مقصود ہمارے عالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

تم جاؤ جہاں بھی جاتے ہو اسلام کا پرچم لہراؤ
مجرم اب تو اقبالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

کفّار میں باقی جان نہیں تم ان کو پہاڑ نہیں سمجھو
یہ ریت کے تودے خالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

تثلیث کے ریگستانوں میں توحید کے چشمے پھُوٹے ہیں
بے کار ہُوئے دجّالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

دُنیا کے کونے کونے میں اب آگ لگی ہے فتنوں کی
کچھ مشرک ہیں کچھ غالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

تم شوق سے آگ میں جا کُودو بن جائے گی گلزار یہی
یہ شعلے نہیں رکھوالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

پھر فوجِ ملائک اتری ہے نبٹے گی ساری فوجوں سے
گوری ہیں یا وہ کالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

قرآن کے وعدے سچّے ہیں مومن ہی آخر جیتیں گے
یہ دن جو ہیں افعالی ہیں تبلیغ کرو تبلیغ کرو

اغیار کو چاند پہ جانے دو وہ خاک وہاں بھی چھانیں گے
نہ خُدا کو یہاں وہ سمجھے ہیں نہ اس کو وہاں ہی جانیں گے

ماخوذ از دل کی آواز

منظوم مجموعہ

میجر عبد الحمید

اسلام کی ترقی اور اشاعت میں سرگرمی کے ساتھ حصّہ لو

ہماری جماعت کے ہر بچّے ، ہر نوجوان ، ہر عورت اور ہر مرد کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے سپُرد اللہ تعالیٰ نے اپنی بادشاہت کو دُنیا میں قائم کرنے کا جو اہم کام کیا ہے اس سے بڑھ کر دنیا کی اور کوئی امانت نہیں ہوسکتی - ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اپنے گھروں کی حفاظت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں - بعض لوگ بھیڑوں بکریوں کے گلّے کی حفاظت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں - بعض لوگ گورنمنٹ کے خزانہ کے پہرہ دیتے ہوئے مارے جاتے ہیں - اور بعض لوگ فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنے ملک کی حفاظت کرتے ہوئے مارے جاتے ہیں - لیکن جو چیز اللہ تعالیٰ نے ہمارے سپُرد کی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی بادشاہتیں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں بلکہ ان کو اس سے اتنی بھی نسبت نہیں جتنی ایک معمولی کنکر کو ہیرے سے ہوسکتی ہے - پس اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے اسلام اور احمدیت کی اشاعت میں سرگرمی سے حِصّہ لو اور اس غرض کے لئے

زیادہ سے زیادہ نوجوانوں کو خدمتِ دین کے لئے وقف کر دو

تاکہ ایک کے بعد دوسری نسل اور دوسری کے بعد تیسری نسل اس بوجھ کو اٹھاتی چلی جائے اور قیامت تک اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام جھنڈوں سے اونچا لہراتا رہے - اس عظیم الشان مقصد کی سرانجام دہی کے لئے میں نے بیرونی ممالک کے لئے تحریک جدید اور اندرون ملک کے لئے صدر انجمن احمدیہ اور وقف جدید کے ادارے قائم کئے ہوئے ہیں - دوستوں کو ان اداروں کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیئے - اور نوجوانوں کو سلسلہ کی خدمت کے لئے آگے آنے کی تحریک کرنی چاہیئے - ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں سادھو اور بھکاری تک بھی اپنے ساتھی تلاش کر لیتے ہیں - پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر تم اس عظیم الشان کام کے لئے دوسروں کو تحریک کرو تو تمہارا کوئی اثر نہ ہو - اس وقت اسلام کی کشتی بھنور میں ہے اور اس کو سلامتی کے ساتھ کنارے تک پہنچانا ہمارا کام ہے - اگر ہم اس کی اہمیت

کو سمجھیں اور دوسروں کو بھی سمجھانے کی کوشش کریں تو ہزاروں نوجوان خدمتِ دین کے لئے آگے آسکتے ہیں۔ ہمیں اس وقت

ہر قسم کے واقفین کی ضرورت ہے

ہمیں گریجویٹوں کی بھی ضرورت ہے اور کم تعلیم والوں کی بھی ضرورت ہے تاکہ ہم ہر طبقہ تک اسلام کی آواز پہنچا سکیں۔ اگر تم اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھ لوگے تو یقیناً اس کشتی کو سلامتی کے ساتھ نکال کر لے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں ابدی حیات عطا فرمائے گا۔ تمہارے بعد بڑے بڑے فلاسفر پیدا ہوں گے۔ بڑے بڑے علماء پیدا ہوں گے۔ بڑے بڑے صوفیا پیدا ہوں گے۔ بڑے بڑے بادشاہ آئیں گے۔ مگر یاد رکھو خدا تعالیٰ نے جو شرف ہمیں عطا فرمایا ہے بعد میں آنے والوں کو وہ میسر نہیں آسکتا جیسے عالمِ اسلام میں بڑے بڑے بادشاہ گزرے ہیں۔ مگر جو مرتبہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک چھوٹے سے چھوٹے صحابیؓ کو بھی ملا وہ ان بادشاہوں کو نصیب نہیں ہوا۔ ان بادشاہوں اور نوجوانوں کو بے شک دنیوی دولت ملی۔ مگر اصل چیز تو صحابہؓ ہی کے حصّہ میں آئی۔ باقی لوگوں کو تو صرف چھلکا ہی ملا۔ یہ تقسیم بالکل ویسی ہی تھی جیسے

غزوہ حنین کے بعد

جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں میں اموالِ غنیمت تقسیم کئے تو ایک انصاری نوجوان نے بیوقوفی سے یہ فقرہ کہہ دیا کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال مکّہ والوں کو دیدیا گیا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپؐ نے تمام انصار کو جمع کیا اور فرمایا۔ اے انصار مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میں سے ایک نوجوان نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مال غنیمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکّہ والوں کو دیدیا ہے۔ انصار نہایت مخلص اور فدائی انسان تھے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سُن کر اُن کی چیخیں نکل گئیں اور انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ ہم ایسا نہیں کہتے ہم میں سے ایک بیوقوف نوجوان نے غلطی سے یہ بات کہہ دی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے انصار اگر تم چاہتے تو تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے فتح و کامرانی بخشی اور اسے عزّت کے ساتھ اپنے وطن میں واپس لایا۔ مگر جب جنگ ختم ہوگئی اور مکّہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آگیا تو مکّہ والے تو بکریاں اور بھیڑوں کے گلّے ہانک کر اپنے گھروں میں لے گئے اور انصار خدا کے رسولؐ کو اپنے گھر میں لے آئے۔

اسی طرح بے شک صحابہؓ کے بعد آنے والوں کو بڑی بڑی دولتیں ملیں۔حکومتوں پر انہیں قبضہ ملا۔ مگر جو رُوحانی دولت صحابہؓ کے حصّہ میں آئی وہ بعد میں آنے والوں کو نہیں ملی پس خدمت دین کے اس اہم موقعہ کو جو تمہیں صدیوں کے بعد نصیب ہوا ہے ضائع مت کرو اور

اپنے گھروں کو خدا تعالیٰ کی برکتوں سے بھر لو

میں نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں جب کام شروع کیا تھا تو میرے ساتھ صرف چند ہی نوجوان رہ گئے تھے اور وہ لوگ جو اپنے آپ کو قابل اور ہوشیار سمجھتے تھے۔سب لاہور چلے گئے تھے اور ہمارے متعلق خیال کرتے تھے۔کہ یہ کم علم اور ناتجربہ کار لوگ ہیں۔مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ وہی لوگ جن کو وہ ناتجربہ کار سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہی سے ایسا کام لیا کہ دیکھنے والے حیران رہ گئے۔اس وقت میری عمر چھبیس سال تھی میاں بشیر احمد صاحب کی عمر اکیس ساڑھے اکیس سال کی تھی۔اسی طرح ہمارے سارے آدمی بیس اور تیس سال کے درمیان تھے۔مگر ہم سب نے کوشش کی اور محنت سے کام کیا تو خدا تعالےٰ کے فضل سے ہم نے جماعت کے کام کو سنبھال لیا۔اسی طرح اب بھی

نوجوانوں کو چاہیئے

کہ وہ سلسلہ کی خدمت کا تہیّہ کر لیں اور دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کریں۔اگر کسی نے صرف بی۔اے یا ایم۔اے کر لیا اور دینی تعلیم سے کورا رہا تو ہمیں اس کی دنیوی تعلیم کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔غیر مبائعین کے الگ ہونے کے بعد میرے ساتھ جتنے نوجوان رہ گئے تھے وہ کالجوں میں بھی پڑھتے تھے مگر وقت نکال کر دینی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔چنانچہ چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور صوفی غلام محمد صاحب اپنے پرائیویٹ اوقات میں دینی تعلیم بھی حاصل کرتے تھے۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایم۔اے اور بی۔اے بھی کر لیا اور دینی تعلیم بھی مکمل کر لی۔میں سمجھتا ہوں اگر اب بھی ہم پوری طرح اس طرف توجہ دیں تو چند سال کے بعد ہی ہمیں ایسے مخلص نوجوان ملنے شروع ہو جائیں گے جو انجمن اور تحریک کے کاموں کو سنبھال سکیں گے۔پس سلسلہ کی ضروریات اور

اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو

اور اپنے حوصلوں کو بلند کرو۔اگر انسان کسی کام کو شروع کرنے سے پہلے ہی اپنے حوصلہ کو گرا دے اور سمجھے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تو یہ اس کی غلطی ہوتی ہے۔بے شک ایک انسان میں یہ طاقت نہیں کہ وہ دنیا کو ہلا سکے لیکن وہ ہلانے کا ارادہ تو کر سکتا ہے۔اگر تم اپنے حوصلوں کو بلند کرو گے اور سستی اور غفلت کو چھوڑ کر

اپنے اندر چستی پیدا کروگے تو تھوڑے عرصہ میں ہی تم میں سے کئی نوجوان ایسے نکلیں گے جو پہلوں کی جگہ لے سکیں گے۔ میں نے تحریک جدید میں نوجوانوں کو لگا کر دیکھا ہے وہ خدا تعالےٰ کے فضل سے بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ بلکہ شروع میں میں جن کے متعلق سمجھتا تھا کہ ممکن ہے وہ اس کام کے اہل ثابت نہ ہو سکیں انہوں نے بھی جب محنت کی تو اپنے کام کو سنبھال لیا اور اب وہ خوب کام کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے اندر عزم تھا اور انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ممکن کوشش کے ساتھ دین کی خدمت کریں گے۔ آئندہ بھی ہماری جماعت کے نوجوانوں کو اپنی زندگیاں وقف کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ہمیں اب سلسلہ کی ضروریات کے لئے

بہت سے نئے آدمیوں کی ضرورت ہے

اور یہ ضرورت روز بروز بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس وقت ہمیں ایسے نوجوان درکار ہیں، جن کو ہم انگلستان، امریکہ اور دوسرے یورپین ممالک میں بھیج سکیں۔ اسی طرح افریقہ وغیرہ کے لئے ہمیں سینکڑوں آدمیوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ان کی جگہ نئے آدمی بھیجنے اور انہیں واپس بلانے کے لئے ہمیں اور آدمیوں کی ضرورت ہوگی اور یہ سلسلہ اسی طرح ترقی کرتا چلا جائے گا۔ پس نوجوانوں کو چاہیئے کہ وہ خدمتِ دین کے لئے آگے آئیں اور اپنے دوستوں اور ساتھیوں میں بھی وقف کی تحریک کو مضبوط کریں۔ ہمارے کاموں نے بہرحال بڑھنا ہے لیکن انہیں تکمیل تک اسی صورت میں پہنچایا جا سکتا ہے جب زیادہ سے زیادہ نوجوان خدمتِ دین کے لئے آگے آئیں۔

ان نصائح کے ساتھ میں اپنی تقریر کو ختم کرتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے فضل سے ہمارے کاموں میں برکت ڈالے اور وہ بوجھ جسے ہمارے کمزور اور ناتواں کندھے نہیں اٹھا سکتے اسے خود اٹھالے اور ہمیں اپنی موت تک اسلام اور احمدیت کی خدمت کی توفیق عطا کرتا چلا جائے۔ ہم کمزور اور بے بس ہیں لیکن ہمارا خدا بڑا طاقتور ہے۔ اس کے صرف کُن کہنے کی دیر ہوتی ہے کہ زمین و آسمان میں تغیرات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آؤ ہم اللہ تعالیٰ سے ہی دعا کریں کہ وہ ہم پر اپنا فضل نازل فرمائے۔ ہمیں اپنی رضا اور محبت کی راہوں پر چلائے اور ہمارے مردوں اور عورتوں

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

دعوت الی اللہ کی اہمیت

ارشادات حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

"دعوت الی اللہ کا پروگرام کوئی معمولی پروگرام نہیں ہے۔ ہم اگلی صدی کے کنارے پر بیٹھے ہیں۔ اور ساری دنیا کو دین حق میں لانے کا تہیہ کر کے ایک سو سال سے جو کوشش کر رہے ہیں ابھی تک ایک سو سال میں اکثریت حاصل کرنا تو درکنار نصف تک بھی ہم نہیں پہنچ سکے ہمیں ابھی تک کسی ملک میں دسواں حصہ بھی کامیابی نہیں ہوسکی۔ ساری دنیا کو دین حق میں داخل کرنا یہ کوئی معمولی ذمہ داری نہیں ہے جو خدا تعالیٰ نے ہمارے کندھوں پر ڈالی ہے۔ اس کے لئے ہمیں سنجیدگی سے تیاری کرنی ہے اور اس کا اس کے علاوہ کوئی حل ہی نہیں ہے کہ ہم میں سے ہر شخص دعوت الی اللہ کرے اور موثر دعوت الی اللہ کرے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس کی دعوت الی اللہ کو پھل نہ لگ جائے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1987ء)

"سب سے اہم ذریعہ دعوت الی اللہ ہے جس کی طرف جماعت کو جس سنجیدگی سے توجہ کرنی چاہیئے اس سنجیدگی سے توجہ نہیں کر رہی۔ میں اس لئے یہ بات یقین سے کہہ رہا ہوں کہ اگر اس سنجیدگی سے توجہ کی جاتی تو وہ نتیجہ ضرور نکلنا تھا جو پہلے نکلتا آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین تبدیل نہیں ہوا کرتے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 8 نومبر 1991ء)

"اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بننا ہے تو پھر دعوت الی اللہ ہر ایک پر ضرور فرض ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہی ساتھی شمار ہوں گے جو خدا کی راہ میں کھیتی اگائیں گے اور پھر اس کی پرورش خود کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ کھیتی توانا ہوجائے۔ لہٰذا ہر وہ احمدی جو کسی بھی جگہ دعوت الی اللہ کا کام کرتا ہے اس کا کلام اللہ میں ذکر موجود ہے۔ اس لئے اگر خدا کی بیان کردہ تعریف کی رو سے آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بنتے ہیں تو آپ کو لازماً خدا کی راہ میں کھیتی اگانی ہوگی اور نئے نئے روحانی وجود پیدا کرنے ہوں گے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 6 نومبر 1987ء)

"میری تو دن رات کی یہ تمنا ہے دن رات دل میں ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ میں کیسے بھول سکتا ہوں۔ اس لئے اللہ مجھے یاد کرواتا رہے گا اور میں یاد رکھوں گا اور آپ کو بھی یاد کرواتا رہوں گا۔ لیکن اگر آپ نے غفلت کی وجہ سے اس بات کو بھلا دیا تو یاد رکھیں کہ آپ خدا کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اس لئے نہ خود بھولیں اور نہ دوسروں کو بھولنے دیں۔ آج جماعت کی سب سے بڑی اور سب سے اہم ذمہ داری خدا کا پیغام دوسروں تک پہنچانا ہے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 28 اگست 1987ء)

"ہر احمدی بہر حال اس بات سے اپنی دعوت الی اللہ کا آغاز کر دے کہ فوری طور پر نہایت سنجیدگی سے دعا کرے اور روزانہ پانچوں وقت اس کو اپنے اوپر لازم کرے۔ وہ خدا سے یہ التجا کرے کہ اے خدا ہمیں یہ توفیق عطا فرما کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں اور تیری نظر میں داعی الی اللہ بننے کا جو حق ہے اس کو ادا کرنے لگ جائیں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 4 مارچ 1983ء)

"آپ میں سے ہر ایک کو دعوت الی اللہ زندہ کر سکتی ہے۔ ہر شخص اگر دعوت الی اللہ کے مضمون کو سمجھ کر اس کے حق ادا کرے گا تو ہر شخص ولی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ دعوت غیروں کو ہی خدا کے قریب نہیں کرے گی بلکہ آپ کو خدا کے قریب تر کرتی چلی جائے گی اور جماعت میں کثرت کے ساتھ اولیاء اللہ پیدا ہوں گے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 مارچ 1992ء)

"میں دعوت الی اللہ کرنے والوں کو خوشخبری دیتا ہوں کہ جب وہ کسی کی زندگی بنائیں گے تو خدا ان کی ایک اور زندگی بنا دے گا اور یہ ایک ایسا جاری فیض ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس سے محرومی زندگی کو ضائع کرنا ہے اس لئے ہر دعوت الی اللہ کرنے والے کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ دعائیں کرتے ہوئے اس کام کو آگے بڑھائیں۔ اپنے روحانی پھلوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ان کی لذتوں سے فیض یاب ہوں اور آگے ان کو سراج بنا دیں۔ ایسا سراج جو اور چراغ روشن کرنے والا سراج بن جائے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 28 فروری 1992ء)

"میں ساری دنیا کو خدا کی طرف بلانے کی فکر میں ہر وقت پریشان رہتا ہوں۔ آپ کا بھی فرض ہے کہ آپ کو یہ پریشانی اور فکر لاحق رہے کہ آپ کا علاقہ کیوں خدا کی طرف رغبت نہیں کر رہا اور ہر احمدی کو خدا تعالیٰ سے مخلصانہ وعدہ کرنا چاہیئے اور اس کے حصول کے لئے خلوص کے ساتھ محنت اور کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر ہماری محنت مخلصانہ ہوگی تو خدا تعالیٰ حالات میں ایک تبدیلی پیدا کر دے گا۔ اگر کسی احمدی کی محنت

کو پھل نہیں لگ رہا تو اسے پریشان ہو جانا چاہیئے کہ کیا خامی باقی رہ گئی ہے جس کی وجہ سے وہ پھل سے محروم ہے۔

ہر وقت اس بات پر غور کرتے رہیں کہ آپ نے خدا کی رضا کی خاطر کیا کچھ کیا ہے۔ ہر مرد، عورت، بچہ اور بوڑھا مکمل طور پر خدا کے لئے خود بھی وقف ہو جائے اور اپنا سب کچھ خدا کے لئے وقف کر دے اور اپنی کوشش کو دیوانگی کی حد تک پہنچا دے۔

ہر احمدی کو چاہیئے کہ وہ اپنے دل کو کرید تا رہے کہ اس نے کتنے احمدی بنائے ہیں۔ وہ دوسروں کے متعلق یہ سنتا ہے کہ فلاں نے اتنے احمدی بنا لئے اسے خود یہ سوچنا چاہیئے کہ اسے کتنے احمدی بنانے کی توفیق ملی ہے۔ اس لئے ساری دنیا کے احمدیوں کو چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے اپنے اندر اس احساس کو پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہوں"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 جنوری 1987ء)

"ہر احمدی نہ صرف یہ عہد کرے بلکہ اس عہد کے پیچھے پڑ جائے۔ دن رات اسے یاد رکھے اور اسے حرز جان بنا لے اور وہ اس وقت تک چین نہ پائے جب تک اس کی کوششوں کو پھل نہ لگنے شروع ہو جائیں۔ اور جب میں ایک احمدی کہتا ہوں تو مراد یہ ہوتی ہے کہ خاندان کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے۔ اور اس طرح ایک خاندان ایک اور خاندان کو احمدی بنائے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 30 جنوری 1987ء)

"وہ داعی الی اللہ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے کوشش کو بھی انتہا تک پہنچا دیا اور دعا کو بھی بدرجہ کمال پہنچا دیا لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ ان کو میں سمجھاتا ہوں کہ ان کے نفس کا دھوکہ ہے۔ جب کوششیں درجہ کمال کو پہنچا دی جائیں اور مایوس ہوئے بغیر توکل کے ساتھ اور صبر کے ساتھ خدا کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے اور راتوں کو اٹھ کر ان لوگوں کے لئے دعا کی جائے جن کو بچانے کے لئے آپ کوشاں ہیں تو یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ دعائیں نامقبول ہوں وہ لازماً کارگر ہوں گی مگر اگر وہ مقبول نہیں ہوتیں اور آپ دعائیں کرتے ہیں تو ان میں کوئی نقص ہے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 8 مئی 1992ء)

"داعی الی اللہ تو وہ ہوتا ہے کہ جب ایک دفعہ عہد کرتا ہے تو پھر عمر بھر اس عہد کو کامل وفا کے ساتھ نباہتا بھی ہے اور آخر سانس تک داعی الی اللہ بنا رہتا ہے"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 مارچ 1983ء)

"اگر آپ خلیفہ وقت کی ہدایات (میں یا کوئی بھی ہو جو بھی اس منصب پر فائز ہوتا ہے خواہ میرے جیسا کمزور ہی کیوں نہ ہو) کو آپ نظر انداز کریں گے یا تخفیف کی نظر سے دیکھیں گے تو آپ سے برکتیں اٹھ جائیں گی.............. میری ساری زندگی کے تجربہ کا نچوڑ یہ ہے کہ خلیفہ وقت کی ہدایات پر اگر آپ اخلاص کے ساتھ سنجیدگی کے ساتھ توجہ دیں خواہ آپ کی سمجھ میں وہ بات آئے یا نہ آئے تو آپ کے کاموں میں غیر معمولی برکت پڑے گی"۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 6 نومبر 1987ء)

کلامِ محمود

دوستو ہرگز نہیں یہ ناچ اور گانے کے دِن
مشرق و مغرب میں ہیں یہ دِیں کے پھیلانے کے دِن

اِس چمن پر جبکہ تھا دورِ خزاں وُہ دِن گئے
اب تو ہیں اسلام پر یارو بہار آنے کے دِن

ظلمت و تاریکی و ضِد و تعصب مِٹ چکے
آ گئے ہیں اب خُدا کے چہرہ دِکھلانے کے دِن

جاہ و حشمت کا زمانہ آنے کو ہے عنقریب
رہ گئے تھوڑے سے ہیں اب گالیاں کھانے کے دِن

ہے بہت افسوس اب بھی گر نہ ایماں لائیں لوگ
جبکہ ہر مُلک و وطن پر ہیں عذاب آنے کے دِن

پیشگوئی ہو گئی پُوری مسیحِ وقت کی
"پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دِن"

ان دِنوں کیا ایسی ہی بارش ہوا کرتی تھی یاں
سچ کہو کیا تھے یہ سردی سے ٹھٹھر جانے کے دِن

دوستو اب بھی کرو توبہ اگر کچھ عقل ہے
ورنہ خود سمجھائے گا وُہ یار سمجھانے کے دِن

دَرد و دُکھ سے آ گئی تھی تنگ اے محمود قوم
اب مگر جاتے رہے ہیں رنج و غم کھانے کے دِن

SPECIAL INSTRUCTIONS TO COMPLETE THE PRE-PRINTED FORM

- Your family/group information, as it appears in the Jamaat's national Tajneed, is pre-printed on this form for your convenience. Please carefully check this information and provide correction, if any, in the space provided.
- Please make sure that the family/group information listing shows the actual members that will be attending the Jalsa this year. Please enter YES or NO in the "Will Attend Jalsa?" Column for each member of your family/group in the list.
- You may also add new members that will be attending Jalsa with your group. Please use separate form for each family/group (blank forms are available from your local Jamaat president).
- All non-Ahmadi Guests must be identified with "NG" in the "Tanzeem" column. Please use a separate form, if the non-Ahmadi guest will need separate accommodation(s) from your family/group.

Ahmadiyya Movement In Islam

Nazim Registration Jalsa 1998
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
Attention: Latif Khalil Nazir
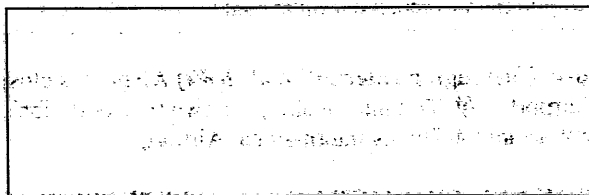
Jalsa Registration Form
Please open immediately...
Return Completed Form Before
May 15, 1998

III. ACCOMMODATION WITH A FAMILY

Do you want Jama`at to arrange for your accommodation with any family?	YES / NO

If you prefer to stay with a family, please provide the following information about your preferred host. Note that if you do not provide this information, your preferred host will be asked to accommodate other guests.

Host Name	**Phone**	(___) - ___ - ____
Address		

Please note that if you do not have any family preference and your Registration Form is received after May15, 1998, Jama`at will not be able to reserve family accommodation for you.

IV. MOTEL ACCOMMODATION

If you prefer to stay in a motel, with special reservation arranged by Jama`at, please complete the following

Complete Form Must Arrive	**Rate For Two Nights**	**Amount Enclosed With Completed Form**
On or Before May 15, 1998	US $90 Per Room	
From May 16, 1998 To June 1, 1998	US $130 Per Room	
After June 1, 1998	Please make your own arrangements, Jama`at will not be able to provide any accommodation.	

Please enclose check for the total amount payable to: AHMADIYYA MOVEMENT IN ISLAM

NOTE: If you wish to stay in the same motel where your relative or friend is going to stay, your and relative/friend's completed forms must arrive together in one envelope with appropriate amount. Please call ahead if your group is larger than two families.

V. TRAVEL INFORMATION

TRAVEL BY	**SCHEDULE**
Airplane	Airline Name & Flight #: ________ Arrival Airport: BWI Arrival Date: ________ Arrival Time: ________ Depart Date & Time: ________ Depart Airport: ________ Do you plan to rent a car on arrival? **YES NO**

Please note that **Baltimore Washington International (*BWI*) Airport** is closest to Jalsa. Jama`at will provide transportation from this airport *only*. You must make your own transportation arrangements if you decide to fly into Washington National or Washington Dulles International Airport.

VI. REGISTRATION VERIFICATION BY JAMA`AT PRESIDENT/MISSIONARY

(Only Required For Those With No Membership Code)

Name		Jama`at	
Designation	PRESIDENT/MISSIONARY	Signature	

REGISTRATION FORM

50th Ahmadiyya Jalsa Salana, USA

June 26, 27, 28, 1998

MAILING ADDRESS: Nazim Registration Jalsa Salana 1998
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905 (Attention: Latif Khalil Nazir)
Phone: 301-879-0110

JALSA LOCATION: Bait-ur-Rehman Mosque, Silver Spring, MD

INSTRUCTIONS:

1. All Jalsa attendants must complete this form to register and obtain a registraion card.
2. Please return completed forms by May 15, 1998. No faxes will be accepted.
3. If any guest is listed without a member code, the member must be verified by a Jama'at Office Holder
4. Accomodation will be provided for two nights only.
5. Please use a seperate page to identify your special needs during Jalsa.
6. Use the Correction line to make any corrections to the information below.

Jamaat Code:					
Head of Family Name:	**Last:**	**First:**		**Middle:**	
Address:					
City and State:				**Zip Code:**	
Home Phone:		**Work Phone:**		**E-Mail Address:**	
Correction Line:					

Attend Yes/No	Member Code	Last Name	First Name	Middle Name	Sex M/F	*Tanzeem A/K/L/N/T/U	**Relationship

***Tanzeem Code: A = Ansar, K = Khudam, L = Lajana, N = Nasirat, T = Tifil, U = Unknown**

****Relationship: H = Head of Family, W = Wife, S = Son, D = Daughter, F = Father, M = Mother, NG = Non-Ahmadi Guest, O = Other**

REQUEST FOR MULAQAT WITH HAZUR

NAME OF JAMAAT ____________________

Name of Head of Household ____________________

Member Code ____________________

Total Members in Family ____________________

Date of Last Meeting with Hazur ____________________

Any Jamaat/Auxiliary Office Held ____________________

Any Special Reason for Seeking Mulaqat ____________________

____

Signature ____________________

Signature of Jamaat President/Muballigh ____________________

Date ____________________

NOTE: There will be a very limited time for Mulaqat during Hazur's brief stay in the Washington Metropolitan Area. Priority will be given to those members who never had an opportunity to meet Hazur or who have not met Hazur for several years. Please forward all requests signed by the President or Muballigh of your Jamaat to Bait-ur-Rahman Mosque, **Attention: Mubarik Ahmad Malik, Nazim Mulaqat at your earliest**. The request form must be received at Bait-ur-Rahman Mosque (15000 Good Hope Road, Silver Spring, MD 20905-4120) by **23rd May 1998.**

خلافت رابعہ کی تحریکات

ہمارے پیارے امام حضرت مرزا طاہر احمد (اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت آپ کے ساتھ ہو) جب سے امامت کی مسند پر متمکن ہوئے ہیں بہت ساری تحریکات شروع ہیں جو حالات اور موقع محل کے مطابق تھیں۔ اور ہیں۔

تحریک دعوت الی اللہ دعوت الی اللہ کی تحریک کوئی نئی تحریک نہیں تھی۔ لیکن جن حالات میں اور جس زمانے میں یہ تحریک کی گئی واقعی نئی تحریک کا رنگ رکھتی ہے۔ وقت کا اہم ترین تقاضا تھا کہ اس تحریک کو منظر عام پر لایا جاتا۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس تحریک کو ایک نئی زندگی اور شان عطا فرمادی۔

آپ نے 28۔ جنوری 1983ء کو بیت اقصیٰ ربوہ میں جمعہ کی عبادت سے پہلے خطاب کرتے ہوئے اس غیر معمولی تحریک کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا۔ "تمام دنیا کے احمدیوں کو میں اس اعلان کے ذریعہ متنبہ کرتا ہوں کہ اگر وہ پہلے (داعی الی اللہ) نہیں تھے تو آج کے بعد ان کو لازماً (داعی الی اللہ) بننا پڑے گا۔ (دین حق) کو ساری دنیا میں غالب کرنے کے بہت وسیع تقاضے ہیں اور یہ بہت بڑا بوجھ ہے۔ جو جماعت احمدیہ کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے..... آج کے بعد اگر ہر احمدی یہ سوچ لے کہ وہ جس ملک میں اور جہاں بھی ہے وہ لازماً دنیا کمائے گا کیونکہ اس کے بغیر گذارہ نہیں ہے۔ اور دین کی خاطر کچھ پیش کرنے کے لئے اسے دنیا کمانی چاہئے لیکن وہ ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھے کہ اس کا مال کمانے کا مقصد بھی اللہ کی طرف دعوت دینا ہوگا..... آج اگر دنیا کا ہر احمدی یہ عزم کرے کہ اس نے اپنے نفس کی قربانی داعی الی اللہ کے رنگ میں خدا کے حضور پیش کرنی ہے تو وہ انقلاب جو ہم سے دور بھاگتا ہوا دکھائی دے رہا ہے آپ دیکھیں گے کہ وہ ایک مقام پر ٹھہر گیا ہے.....

(روزنامہ الفضل 26۔ اپریل 1983ء)

خدا تعالیٰ نے اس تحریک کو حیرت انگیز طور پر کامیاب کیا۔ اس تحریک کے بعد حضرت صاحب اس کی مسلسل نگرانی فرما رہے ہیں۔ اور مسلسل جماعت کے افراد کو توجہ دلا رہے ہیں۔ بعد ازاں مسلسل کئی خطبات میں اور کئی میٹنگز میں دعوت الی اللہ سے متعلق جو بھی ضروری امور تھے بیان کئے جاتے رہے ہیں۔ (داعیان) الی اللہ کی صفات اور ان کے کردار پر آپ نے بڑا زور دیا ہے۔ کہ ان کو کس قسم کا ہونا چاہئے ان کے درخت کو کس طرح روحانی پھل لگ سکتے ہیں۔ اپنے مقصد میں ناکام رہنے والے افراد کو ان کی کمزوریوں کی طرف توجہ دلاتے ہیں وہ جماعتیں جو ابھی تک بانجھ چلی آرہی تھیں ان کو وہ تیر بہدف نسخے آپ نے بتائے کہ ان میں زندگی جاگ اٹھی۔

کامیابیاں اس تحریک کا سب سے پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت کے افراد چھوٹے ہوں یا بڑے مرد ہوں یا عورتیں سب میں ایک بیداری کی لہر پیدا ہوگی۔ بنجر زمینیں آباد ہونے لگیں جنگلوں میں پھل دار درخت اگنے لگے زنگ دھلنے لگے۔ وہ جنہوں نے کبھی بھی پیغام حق نہیں پہنچایا تھا وہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر خدا کے حضور گریہ وزاری کرنے لگے۔ کہ خدا تعالیٰ ان کی کوششوں کو پھل عطا فرمائے۔ بہتوں نے سینکڑوں پھل حاصل کرنے کا ٹارگٹ بنایا۔ اور بالآخر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

عالمی بیعت جب پھل پکے اور درخت میووں سے لد گئے تو سننے والوں نے سنا اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہاں سینکڑوں بیعتیں ہوا کرتی تھیں اب لاکھوں میں ہونے لگیں۔ 1993ء سے حضرت صاحب نے جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر عالمی بیعت کا سلسلہ جاری فرمایا اس سال دو لاکھ بیعتیں ہوئیں۔ 1994ء میں 4 لاکھ 1995ء میں 8 لاکھ 1996ء میں 16 لاکھ سے زائد اور پھر 1997ء میں ہم سب نے دیکھا کہ 30 لاکھ سے زائد نفوس سلسلہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔

اس کام کو تیز کرنے کے لئے نظارت دعوت الی اللہ کا قیام عمل میں آیا اور ہر جماعت میں سیکرٹریان دعوت الی اللہ مقرر ہوئے۔ کہاں پہلے چند صد مربیان کرام اور اب ہزاروں ہزار داعیان و داعیات الی اللہ جو دنیا بھر میں ہمہ وقت اس ( ) میں مصروف ہیں۔ 1983ء کو شروع ہونے والی یہ تحریک اب تناور درخت بنتی جارہی ہے۔ یہ سلسلے اور بڑھیں گے۔ اور غالب آنے کے دن قریب سے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔

سستیاں ترک کرو پس ہم سب کا فرض ہے کہ ہم اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں جیسا کہ حضرت صاحب نے فرمایا۔

"ہر (صاحب ایمان) نہ صرف یہ کہ وہ خود داعی الی اللہ بنے بلکہ دوسروں کو بھی داعی الی اللہ بننے کی تحریک کرے اور پھر ہر مخاطب اس پیغام کو آگے پہنچاتا چلا جائے۔ اور یوں یہ دعوت الی اللہ کا کام نسلاً بعد نسلٍ جاری و ساری رہے......پس میرا آپ کے نام یہی پیغام ہے کہ سستیاں ترک کر دیں اور پوری طاقت کے ساتھ دعوت الی اللہ کے جہاد میں مصروف ہو جائیں"

(ضمیمہ خالد دسمبر 1985ء ص 7)

پس ہم میں سے ہر ایک کو جس نے ابھی تک کسی وجہ سے اس کام میں بھرپور حصہ نہیں لیا وہ ابھی اور اس وقت تہیہ کرے کہ امسال ضرور روحانی پھل حاصل کرے گا اور اس کے لئے جو بھی ممکنہ حکمت سے پر امور ہوں گے وہ انہیں پیش نظر رکھے اور بالآخر دعا کے پہلو کو اولیت دے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو مقبول خدمت دین کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے۔

○○○

مولانا دوست محمد شاہد۔ مورخ احمدیت

عالم روحانی کے لعل و جواہر

بارگاہِ ایزدی کے فقیروں کے لئے

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے عہد میں "ایک سائل دو تین ماہ بعد پھیرا کیا کرتا تھا" وہ موٹا تازہ تھا اور آواز بھی اس کی بہت بلند تھی اس کا یہ طریق تھا کہ بیت مبارک کے نیچے کی گلی میں صدا دیتا تھا۔ اور ایک رقم مقرر کر کے سوال کرتا تھا اور حضرت صاحب ہی سے لینے کا اشارہ بھی کرتا اور جب تک اس کا مطالبہ پورا نہ ہو جاتا' ٹلتا نہیں تھا۔ رفتہ رفتہ اس کے سوال کی رقم بڑھتی گئی اور آنوں سے روپوں تک نوبت پہنچ گئی۔ بعض اوقات اس کو پکارتے پکارتے صبح سے دوپہر ہو جاتی۔ حضرت صاحب دوسری منزل میں رہتے تھے اور تیسری منزل پر حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا چوبارہ تھا۔ وہ بہت نازک طبع تھے انکو بہت تکلیف ہوتی۔ ایک دن انہوں نے حضرت صاحب کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے اس فقیر نے بہت تنگ کیا ہے اور اگر ذرا اشارہ فرما دیتے تو خدام اسی وقت اس کو کہیں دور چھوڑ آتے اور ایسی تنبیہہ کرتے کہ دوبارہ نہ آتا یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"مولوی صاحب ایک گدا ہوتا ہے اس کو جو دے دو لے کر چلا جاتا ہے۔ ایک نر گدا ہوتا ہے جو اپنا مطلب پورا کئے بغیر ٹلنے میں نہیں آتا۔

بندہ کو بھی اللہ کے حضور میں ایسا ہونا چاہیے کہ مانگے اور مانگنے سے نہ ہٹے یہاں تک کہ خدا اس کا مطلب پورا کر دے"

(انعامات خداوند کریم صفحہ 259-260 مولفہ

حضرت صاحبزادہ پیر افتخار احمد صاحب لدھیانوی طبع دوم اشاعت جنوری 1957ء لاہور)

حقیقی خوشخبری؟

ایک بار حضرت مفتی محمد صادق صاحب حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ آپ باہر آئے تو ایک شخص کھڑا تھا کہنے لگا مجھے امرتسر سے مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی نے بھیجا ہے مجھے ایک ضروری اطلاع دینی ہے۔ آپ نے کہا مجھ سے کہہ دو میں حضرت صاحب سے عرض کر دوں گا اس پر اس نے جواب دیا کہ نہیں حضرت مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ خود حضرت صاحب سے کہنا۔ حضرت مفتی صاحب نے اندر جا کر حضرت صاحب سے واقعہ عرض کیا آپ نے اسے بلا لیا۔ اس نے بتایا کہ مجھے مولوی سید محمد احسن صاحب نے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ فلاں شخص سے میرا مباحثہ ہوا۔ میں نے بحث میں اسے ایسا لتاڑا' ایسا پچھاڑا' ایسی شکست دی اور ایسا اس کا منہ بند کیا کہ وہ جواب نہیں دے سکا اور چپ کا چپ رہ گیا۔ حضرت صاحب نے متبسم ہو کر فرمایا میں تو یہ سمجھا کہ

یہ خبر لائے ہو کہ یورپ نے (دین حق) قبول کر لیا ہے

(لطائف صادق صفحہ 99 مرتبہ شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی مطبوعہ قادیان 1946ء)

اخلاص و فدائیت کے پیکر حضرت سیدنا محمود امام جماعت احمدیہ الثانی نے 20 اپریل 1922ء کو حضرت چوہدری رستم علی صاحب آف مدار ضلع جالندھر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

"وہ کورٹ انسپکٹر تھے ان کی اسی روپے تنخواہ تھی۔ حضرت صاحب کو خاص ضرورت دینی تھی۔ آپ نے ان کو خط لکھا کہ یہ خاص وقت ہے اور چندہ کی ضرورت ہے۔ انہی دنوں گورنمنٹ نے حکم جاری کیا کہ جو کورٹ انسپکٹر ہیں انسپکٹر کر دئے جائیں جس پر ان کو نیا گریڈ مل گیا اور جھٹ ان کے اسی روپے سے ایک سو اسی روپیہ ہو گئے اس پر انہوں نے حضرت صاحب کو لکھا کہ اُدھر آپ کا خط آیا ہے اور ادھر ایک سو اسی روپے ہو گئے۔

اس لئے یہ اوپر کے سو روپے میرے نہیں ہیں یہ حضرت صاحب کے طفیل ملے ہیں۔ اس واسطے وہ ہمیشہ سو روپیہ علیحدہ بھیجا کرتے تھے"

(الفضل 15 مئی 1922ء صفحہ 7)

اداریہ

خوش کلامی

خوش کلامی ایک اعلیٰ درجہ کا وصف ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے قریب تر لاتا ہے اور باہمی محبت و اُلفت کو جنم دیتا ہے۔ خوش کلامی کا ردِ عمل اگر خوش کلامی ہی ہو تو اس سے معاشرہ اور بھی خوش منظر نظر آتا ہے۔ تاہم اگر یہ جذبہ یک طرفہ ہو تو بھی یہ جذب و کشش کا موجب ٹھہرتا ہے اور مخاطب کے دل و دماغ سے نفرت و کدورت زائل ہونا شروع ہو جاتی ہے اور بالآخر راہِ محبت استوار ہوتی ہے۔ خوش کلامی یا خوش گفتاری کا عمل جب افراد میں نشو و نما پاتا ہے تو اجتماعیت اور معاشرہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور بالآخر قوم میں اعلیٰ اقدار قائم ہو جاتی ہیں تو یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ خوش کلامی نقطۂ آغاز ہے خوشگوار تعلقات کا۔

ایک مہذّب قوم اور معاشرہ میں خوش کلامی کا وصف اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اچھے اور ہمدردانہ جذبات کا اظہار بھی حُسنِ کلام سے ہی ہوتا ہے اور افرادِ قوم کی عجز و انکساری اور باہمی ہمدردی کی بھی نشاندہی کرتی ہے جبکہ جہاں جذبات میں سختی، غصّہ اور قساوتِ قلبی پائی جائے وہاں غرور اور تکبّر و نخوت کارفرما ہوتے ہیں۔ پھر ایسے گروہ، برادریاں اور قبیلے تفرقہ کا شکار ہو کر ظلم و تشدّد کی رِیت اپناتے ہیں خواہ اس کے عوامل کچھ ہوں نتیجتاً امنِ عامہ اُٹھ جاتا ہے اور پھر انتقام کے گھناؤنے سایے دیر تک اس معاشرہ پر منڈلاتے رہتے ہیں۔

زمانۂ رسالتمآبؐ سے قبل جاہلی دَور اور یہودی معاشرت تھی جن کی سخت دِلی اور ظلم و جَور انتہاء پر تھے۔ قرآن کریم کے مطابق تو بنی اسرائیل کو خاص طور پر یہ تعلیم دی گئی تھی کہ "قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا" یعنی لوگوں سے اچھی بات کہو۔ اچھی بات کہنے میں لوگوں کے فائدہ اور کام کی بات کہنا اور ناصحانہ انداز مراد ہے۔ تاہم نصیحت ہو یا کوئی تحریک و تلقین اس کا آغاز خوش کلامی سے ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم اور حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی اُسوہ ہے جس کے نتیجہ میں پُر امن معاشرہ قائم ہوا جہاں محبّت، ہمدردی اور ایثار کے اوصاف نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اچھی بات سے کلام کا آغاز کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو سلامتی کی دُعا کا ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ بھی تعلیم دی کہ ایک دوسرے کے ساتھ طعن و طنز کا برتاؤ نہ کریں۔ کسی فرد یا

قوم کو ایسے نام سے نہ پکاریں جس سے چڑ پیدا ہو یا انہیں پسند نہ ہو۔ اسی طرح کسی کو حقیر نہ سمجھیں نہ استہزاء اور ٹھٹھہ سے کام لیں جس سے دوسروں کی خفت اور تذلیل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نہایت اعلیٰ درجہ کا معاشرہ قائم کیا اس کا امتیاز محبت و اخوت اور ایثار تھا جس کا آغاز باہمی ملاقات کے آداب و اطوار تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی ملاقات کے وقت تاکید فرمائی کہ ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دی جائے۔ اب ظاہر ہے جہاں سلامتی کی دعا ہو وہاں نفرت اور کینہ کہاں ٹھہر سکتے ہیں۔ پھر بشاشت اور خوش خلقی کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا

" لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَّ لَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ "

یعنی معمولی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کی ہی نیکی ہو۔ پھر اچھے اور پاک کلام کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:-

" اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ "

یعنی دوزخ کی آگ سے بچنے کی کوشش کرو خواہ کھجور کا ایک آدھ حصہ ہی دینے کی توفیق ہو اور اگر کسی کے پاس کچھ نہیں تو وہ اچھی اور پاکیزہ بات سے کام لے۔

حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام نے رفق اور قولِ حسن کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:-

"..... **رفق اور قولِ حسن** ـــــ یہ خلق جس حالتِ طبعی سے پیدا ہوتا ہے اس کا نام **طلاقت** یعنی کشادہ روئی ہے۔ بچہ جب تک کلام کرنے پر قادر نہیں ہوتا بجائے رفق اور قولِ حسن کے طلاقت دکھلاتا ہے یہی دلیل اس بات پر ہے کہ رفق کی جڑھ جہاں سے یہ شاخ پیدا ہوتی ہے طلاقت ہے۔ طلاقت ایک قوت ہے اور رفق ایک خلق ہے جو اس قوت کو محل پر استعمال کرنے سے پیدا ہو جاتا ہے۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی)

سلامتی کی دعا، بشاشت اور خندہ پیشانی سے ملنا اور اچھی بات کہنا، کسی کا حال دریافت کرنا اپنے بھائی کی حوصلہ افزائی ہے اور یہ باتیں خوش کلامی کی ابتداء ہیں اس کے نتیجہ میں قدم اچھے اعمال کی طرف اُٹھتا ہے۔ چہرے پر بشاشت نظر آنا جسے خندہ پیشانی کہتے ہیں قلبی کیفیت کی ترجمان ہے اور اپنے بھائی کے لئے محبت کے جذبات کو ظاہر کرتی ہے پس کلماتِ طیّبات سے گفتگو یا خوش کلامی وہ خشتِ اوّل ہے جس پر اعمالِ صالحہ کی عمارت اُبھرتی ہے۔ دَورِ اوّل میں رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا منظر ایسے ہی حسین اعمال کا ثمر تھا اور اب نشأۃِ ثانیہ کے اس دَور میں اس حسین معاشرہ کی تشکیل اسی ذریعہ سے ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نشأۃِ ثانیہ کا یہ دَور سَلَامًا سَلَامًا کا نظارہ پیش کرے۔ آمین